قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر ابو سعید

Online Edition

جمعۃ المبارک یکم جولائی 2022ء | یکم ذوالحجہ 1443 ہجری قمری | یکم وفا 1401 ہجری شمسی | جلد:4 | شمارہ:132

ارشاد باری تعالیٰ

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَہُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۴﴾ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ وَکِیْلًا ﴿۵۵﴾ (بنی اسرائیل: 54-55)

ترجمہ: اور تو میرے بندوں سے کہہ (کہ) وہی بات کہا کریں جو (سب سے) زیادہ اچھی ہو (کیونکہ) شیطان یقیناً ان کے درمیان فساد ڈالتا رہتا ہے۔ شیطان انسان کا کھلا (کھلا) دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں (سب سے) زیادہ جانتا ہے اگر وہ چاہے گا تو تم پر رحم کرے گا اور اگر وہ چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا اور (اے رسول)! ہم نے تجھے ان کا ذمہ وار بنا کر نہیں بھیجا۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جبیرؓ بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ ایک بار وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپؐ کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ آپؐ حنین سے آرہے تھے کہ بدوی لوگ آپ سے لپٹ گئے۔ وہ آپؐ سے مانگتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے آپؐ کو ببول کے ایک درخت کی طرف ہٹنے کے لئے مجبور کر دیا جس کے کانٹوں میں آپؐ کی چادر اٹک گئی۔ رسول اللہؐ ٹھہر گئے اور آپؐ نے فرمایا میری چادر مجھے دے دو۔ اگر میرے پاس ان جنگلی درختوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے تو مَیں اُنہیں تم میں بانٹ دیتا اور پھر تم مجھے بخیل نہ پاتے اور نہ جھوٹا اور نہ بزدل۔

(صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب ماکان النبیؐ یعطی المؤلفۃ قلوبھم و غیرھم… حدیث نمبر 3148)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحاتِ قلم

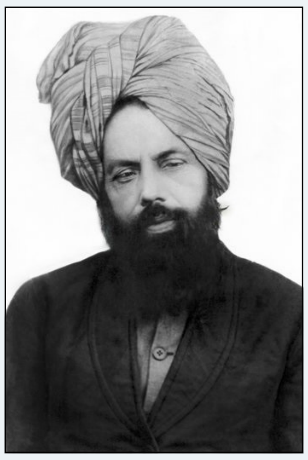

’’اے ہموطن پیارو!! میں نے یہ بیان آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں کیا کہ میں آپ کو دکھ دوں یا آپ کی دل شکنی کروں بلکہ میں نہایت نیک نیتی سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جن قوموں نے یہ عادت اختیار کر رکھی ہے اور یہ ناجائز طریق اپنے مذہب میں اختیار کر لیا ہے کہ دوسری قوموں کے نبیوں کو بدگوئی اور دشنام دہی کے ساتھ یاد کریں وہ نہ صرف بیجا مداخلت سے جس کے ساتھ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں خدا کے گنہگار ہیں۔ بلکہ وہ اس گنہ کے بھی مرتکب ہیں کہ بنی نوع میں نفاق اور دشمنی کا بیج بوتے ہیں…

’’خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں اس قدر ہمیں طریق ادب اور اخلاق کا سبق سکھلایا ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ (الانعام: 109) یعنی تم مشرکوں کے بتوں کو بھی گالی مت دو کہ وہ پھر تمہارے خدا کو گالیاں دیں گے۔ کیوں کہ وہ اس خدا کو جانتے نہیں۔ اب دیکھو کہ باوجودیکہ خدا کی تعلیم کی رو سے بُت کچھ چیز نہیں ہیں مگر پھر بھی خدا مسلمانوں کو یہ اخلاق سکھلاتا ہے کہ بتوں کی بدگوئی سے بھی اپنی زبان بند رکھو اور صرف نرمی سے سمجھاؤ۔‘‘

(پیغام صلح، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 460-461)

• ’’پہلا خلق ان میں سے عفو ہے۔ یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا۔ اس میں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے، سزا دلائی جائے، قید کرایا جائے، جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران: 135) جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُہَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (الشوریٰ: 41)

یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقعہ پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو۔ کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو۔ یعنی عین عفو کے محل پر ہو۔ نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائے گا۔‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 351)

فرمان خلیفہ وقت

یہاں مَیں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ دنیا کے ایک بہت بڑے خطّہ پر مسلمان حکومتیں قائم ہیں۔ دنیا کا بہت سا علاقہ مسلمان کے زیرِ نگیں ہے۔ بہت سے مسلمان ممالک کو خدا تعالیٰ نے قدرتی وسائل بھی عطا فرمائے ہیں۔ مسلمان ممالک یو این او (UNO) کا حصہ بھی ہیں۔ قرآنِ کریم جو مکمل ضابطہ حیات ہے اس کے ماننے والے اور اس کو پڑھنے والے بھی ہیں تو پھر کیوں ہر سطح پر اس خوبصورت تعلیم کو دنیا پر ظاہر کرنے کی مسلمان حکومتوں نے کوشش نہیں کی۔ کیوں نہیں یہ کرتے؟ قرآنِ کریم کی تعلیم کے مطابق کیوں دنیا کے سامنے یہ پیش نہیں کرتے کہ مذہبی جذبات سے کھیلنا اور انبیاء اللہ کی بے حرمتی کرنا یا اُس کی کوشش کرنا یہ بھی جرم ہے اور بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔ اور دنیا کے امن کے لئے ضروری ہے کہ اس کو بھی یو این او کے امن چارٹر کا حصہ بنایا جائے کہ کوئی ممبر ملک اپنے کسی شہری کو اجازت نہیں دے گا کہ دوسروں کے مذہبی جذبات سے کھیلا جائے۔ آزادیٔ خیال کے نام پر دنیا کا امن برباد کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ لیکن افسوس کہ اتنے عرصہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، کبھی مسلمان ملکوں کی مشترکہ ٹھوس کوشش نہیں ہوئی کہ تمام انبیاء، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر نبی کی عزت و ناموس کے لئے دنیا کو آگاہ کریں اور بین الاقوامی سطح پر اس کو تسلیم کروائیں۔ گو یو این او (UNO) کے باقی فیصلوں کی طرح اس پر بھی عمل نہیں ہو گا، پہلے کونسا امن چارٹر پر عمل ہو رہا ہے لیکن کم از کم ایک چیز ریکارڈ میں تو آجائے گی۔ او آئی سی (OIC)، آرگنائزیشن آف اسلامک کنٹریز جو ہے، یہ قائم تو ہے لیکن ان کے ذریعہ سے کبھی کوئی ٹھوس کوشش نہیں ہوئی جس سے دنیا میں مسلمانوں کا وقار قائم ہو۔ مسلمان ملکوں کے سیاستدان اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر نہیں خیال تو دین کی عظمت کا خیال نہیں۔ اگر ہمارے لیڈروں کی طرف سے ٹھوس کوششیں ہوتیں تو عوام الناس کا یہ غلط ردّ عمل بھی ظاہر نہ ہوتا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21 ستمبر 2012ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- مرشد دعا کریں مرا انجام ہو بخیر (منظوم)
- ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام
- اسلام کا پانچواں رُکن حج
- میری والدہ حمیدہ بیگم مرحومہ

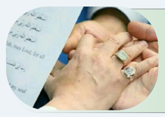

دربارِ خلافت

یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے اس طریق کے جو اچھا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

اس کے بعد میں اب اگلے حکم پر آتا ہوں جو اُس سے اگلی آیت میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ (الانعام:153) اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے اس طریق کے جو اچھا ہے۔ اب یہاں خدا تعالیٰ معاشرے کے کمزور ترین طبقہ کے حق کی حفاظت کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔ اگر صرف یہی ہو کہ تم نے یتیم کے مال کے قریب بھی نہیں جانا تو یتیم کے سرمائے یا جائیداد کے ضائع ہو جانے کا بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یتیم کے مال تک تمہاری پہنچ احسن طریق پر ہو۔ اس طرز پر یتیم کے مال کو دیکھو کہ حتی الوسع کسی نقصان کا احتمال نہ ہو۔ یتیم کی جائیداد کو اُجاڑنے اور ختم کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ یتیم کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اُس کی جائیداد اور مال کا استعمال کرو۔

پس یہ لازمی حکم ہے کہ یتیم کے مال کی حفاظت کا انتظام تم نے کرنا ہے۔ ایک امین کی حیثیت سے قریبی عزیزوں نے، یا جس کے سپرد بھی یتیم کی ذمہ داری کی جائے، اُس نے یتیم کے مال کی حفاظت کرنی ہے، اُس کا خیال رکھنا ہے۔ جماعت نے اُس کے مال کی حفاظت کرنی ہے اور خیال رکھنا ہے۔ معاشرے نے اور ملک کے قانون نے اُس کے مال کی حفاظت کرنی ہے اور خیال رکھنا ہے۔ کس طرح حفاظت کرنی ہے؟ اُس کے لئے بہت ساری صورتیں ہیں۔ یتیموں کے مالوں کو اس طرح استعمال کرو یا کاروباروں میں لگاؤ کہ وہ مال بڑھیں تا کہ یتیموں کو، اُس گروہ کو جو ابھی اتنی عقل نہیں رکھتا، اُن بچوں کو جن کے ماں باپ کا سایہ اُن کے سر پر نہیں ہے فائدہ ہو۔ جن کی جائیدادیں ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اُن کو احسن طریق پر اس طرح استعمال کرو، اس طرح انویسٹ (Invest) کرو، اس طرح کاروباروں میں لگاؤ کہ وہ مال بڑھے۔ پس ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جو یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم دے کر عزیزوں اور معاشرے پر ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ اگر تم یہ ذمہ داری ادا نہیں کرتے اور بہانے بہانے سے یتیم کے مال کو کھانے کی کوشش کرتے ہو، تو اس کی بڑی سخت سزا ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا (النساء:11) اور جو لوگ ظلم سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں، وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اور پھر فرمایا وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا (النساء:11) اور وہ یقیناً شعلہ زن آگ میں داخل ہوں گے۔

قرآنِ کریم کے احکامات ایسے نہیں کہ صرف ایک فریق کا حق دلائیں تو دوسرے کا حق غصب کر لیں۔ اگر یہ حکم ہے کہ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھا کے اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہو تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے امانت اور دیانت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اگر یتیم کے مال میں سے کچھ خرچ کر رہے ہو تو پھر یہ ظلم نہیں ہے۔ فرمایا کہ یتیم کی پرورش پر جو خرچ ہوتا ہے، اُس کی تعلیم پر، اُس کی تربیت پر جو خرچ ہوتا ہے، یہ خرچ کرنے کی تو اجازت ہے لیکن دیکھو ظلم نہ کرنا۔ امانت میں خیانت کرنے والے نہ بننا۔ فرمایا لَا تَاۡکُلُوۡہَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا (النساء:7) اُن کے جوان ہونے کے خوف سے اُن کے مال ناجائز طور پر اور جلدی جلدی نہ کھا جاؤ۔ فرمایا وَمَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ (النساء:7) اور جو کوئی صاحبِ حیثیت اور مالدار ہو، وہ اس مال سے بکلّی اجتناب کرے۔ لیکن اگر کوئی مجبور ہے، تعلیم اور جو دوسرے اخراجات اُس پر ہو رہے ہیں، وہ برداشت نہیں کر سکتا تو اُس کے بارے میں فرمایا کہ فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (النساء:7) پس وہ مناسب طور پر اس مال میں سے لے سکتا ہے۔ اور مناسب کیا ہے؟ اُس یتیم پر جو اصل خرچ ہو رہا ہے وہ یا اگر کسی کی بالکل ہی فقیری کی حالت ہے اور گزارہ بھی نہیں ہوتا اور پرورش کی وجہ سے اُس کی ذمہ داری چوبیس گھنٹے اُس کی نگہداشت پر ہے تو معمولی حق الخدمت لیا جا سکتا ہے۔ پس اس مال کے خرچ کی اس حد تک اجازت ہے۔ لیکن جو اُس مال کی حفاظت اور اُسے بڑھانے کا حکم ہے اُسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور سچے امین اور سچے نگران کا حق ادا کرنا چاہئے۔ فرمایا حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ (الانعام:153) یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت اور مضبوطی کی عمر کو پہنچ جائیں اور اپنے مال اور جائیداد کا انتظام و انصرام سنبھال سکنے والے ہوں۔ پس یہ حق ہے جو یتیم کا قائم ہے۔ ایک کمزور طبقے کا قائم ہے کہ اُس کے عاقل بالغ ہونے تک اُس کی جائیداد کی، اُس کے مال کی حفاظت کی جائے اور پھر جب وہ اُسے سنبھالنے کے قابل ہو جائے تو اُسے اُس کا مال لَوٹا دیا جائے۔ یہاں یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ بعض دفعہ کوئی یتیم بالغ ہونے کے بعد عقل کے لحاظ سے اس سطح پر نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کر سکے۔ تو پھر اُس وقت تک، جب تک وہ اس قابل نہ ہو جائے، یا اگر بالکل ہی غبی ہے تو پھر مستقل طور پر اُس کے مال کی حفاظت فرض بنتا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو باوجود غبی ہونے کے شادی کے قابل ہوتے ہیں۔ اگر اُن کی شادی ہو جاتی ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے تو پھر اولاد کے جوان ہونے تک عزیزوں کا یا معاشرے کا اور جماعت کا یہ کام ہے کہ اس ذمہ داری کو نبھائیں اور ان کے مال کی حفاظت کریں۔

(خطبہ جمعہ 2/ اگست 2013ء بحوالہ الاسلام)

مرشد دعا کریں مرا انجام ہو بخیر

مرشد دعا کریں کہ خدا درگزر کرے
دونوں جہاں میں پیار کی مجھ پر نظر کرے
اپنا بنائے وہ مجھے اور معتبر کرے
پتھر سے اس وجود کو لعل و گہر کرے
مرشد خزاں کی شام ہوں میں آپ کے بغیر
مرشد دعا کریں مرا انجام ہو بخیر

مرشد مرا یہ خواب تھا قرباں یہ جاں کروں
شام و سحر دوائے غمِ دوستاں کروں
وقفِ رضائے یار میں شایانِ شاں کروں
توفیق دے خدا تو فلاں اور فلاں کروں
مرشد یہ میرے خواب تھے کچھ ہو نہیں سکا
کچھ سانحے تھے جن پہ کبھی رو نہیں سکا

اب زندگی کی شام ہے اور غم ہزار ہیں
دشمن بھی باکمال ہیں اور بے شمار ہیں
پاؤں بھی سخت جاں نہیں رستے بھی خار ہیں
اور دکھ بھی ایسے ساتھ کہ یاروں کے یار ہیں
مرشد بس ایک آپ کی شفقت کا مان ہے
ورنہ غریب شخص کا دشمن جہان ہے

مرشد میں دل فگار ہوں اور بے شمار ہوں
کندن مثال لوگوں میں مثلِ غبار ہوں
پھر بھی رضائے یار کا امیدوار ہوں
بس آپ کا ہوں اور میں دیوانہ وار ہوں
مرشد کوئی درود کوئی دم دعا کریں
اس بے ثمر سی خاک کو بھی کیمیا کریں

مبارک صدیقی۔لندن

امۃ الباری ناصر۔ امریکہ

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام

یا بدرنا یا آیۃ الرحمٰن

قسط 28

سب بہادروں سے بہادر
یا بدرنا یا آیۃ الرحمٰن
اھدی الھداۃ و اشجع الشجعان

(عربی سے ترجمہ) اے ہمارے کامل چاند اور اے رحمان کے نشان سب رہنماؤں کے رہنما اور سب بہادروں سے بہادر

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 591)

انبیاء کی بعثت کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب بحر و بر میں فساد برپا ہوچکا ہوتا ہے۔ نبی کو گمراہوں کو راہ راست پر لانے کے لئے غیر معمولی جرأت مندانہ انقلابی اقدام کرنے ہوتے ہیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں غیر معمولی ہمت، حوصلہ، جرأت، شجاعت، دلیری اور مردانگی عطا فرماتا ہے۔ اور اپنی تائید و نصرت کا یقین دلاتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

(اٰل عمران: 140)

اور کمزوری نہ دکھاؤ اور غم نہ کرو جبکہ (یقیناً) تم ہی غالب آنے والے ہو، اگر تم مومن ہو۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا

(النساء: 142)

اور اللہ کافروں کو مومنوں پر کوئی اختیار نہیں دے گا۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی مبارک حیات میں آپؐ کی دلیری و شجاعت کے ان گنت واقعات۔ میں سے چند ایک مثال کے طور پر پیش ہیں

میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رُک نہیں سکتا

آپؐ کے والد صاحب، والدہ صاحبہ اور دادا جان کی وفات کے بعد چچا جان سہارا بنے تھے اور اب یہ محسن چچا ابو طالب اپنے ہاتھوں کے پالے آنحضرت ﷺ سے مکہ کے سب سرداروں کے اصرار اور دباؤ پر ایک فرمائش کر رہے تھے۔

’’اے میرے بھتیجے! اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے۔ اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی، تو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا اور ان کے بزرگوں کہ شر البریّہ کہا اور ان کے قابلِ تعظیم معبودوں کا نام ہیزمِ جہنم اور وقود النار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رِجس اور ذریتِ شیطان اور پلید ٹھہرایا میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ میں قوم کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا‘‘

’’آنحضرت ﷺ نے جواب میں کہا کہ اے چچا! یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے۔ اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رک نہیں سکتا اور اے چچا! اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تُو مجھے پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہوجا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں میں احکامِ الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا مجھے اپنے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر میں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہوکر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہاء لذت ہے کہ اس کی راہ میں دکھ اٹھاؤں‘‘

’’آنحضرت ﷺ یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقّت نمایاں ہو رہی تھی اور جب آنحضرت ﷺ یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابو طالب کے آنسو جاری ہوگئے اور کہا کہ میں تیری اس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا تو اور ہی رنگ میں اور ہی شان میں ہے جا اپنے کام میں لگا رہ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا‘‘

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 110-111)

چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں

ایک دفعہ اراشہ نامی شخص مکّہ میں کچھ اونٹ بیچنے آیا اور ابوجہل نے اس سے یہ اونٹ خرید لئے۔ مگر اونٹوں پر قبضہ کر لینے کے بعد قیمت ادا کرنے سے انکاری ہوگیا یا ٹال مٹول سے کام لینے لگا۔ اس پر وہ شخص جو مکّہ میں اکیلا تھا، مسافر تھا، کوئی اس کا دوست ساتھی نہیں تھا بے یار و مددگار تھا، بہت پریشان ہوا اور چند دن تک اسی طرح ابوجہل کے پیچھے پھرتا رہا، اس کی منّت سماجت کرتا رہا۔ مگر ہر دفعہ اس کو اسی طرح ٹال مٹول سے جواب ملتا رہا، آخر ایک دن وہ کعبہ میں جہاں قریش سردار بیٹھے ہوئے تھے گیا، اور کہنے لگا کہ اے معززین قریش! آپ میں سے ایک شخص ابو الحکم ہے۔ اس نے میرے اونٹوں کی قیمت دبا رکھی ہے مہربانی کرکے مجھے اس سے دلوا دیں۔ قریش کو شرارت سوجھی، انہوں نے مذاقاً کہا کہ ایک شخص ہے محمد بن عبداللہ نامی وہ تمہیں یہ قیمت دلوا سکتا ہے، تم اس کے پاس جاؤ۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جب یہ جائے گا تو آپؐ ہر حال میں انکار کریں گے۔ اور جب آپؐ انکار کریں گے تو ان لوگوں کو ایک تو مذاق اڑانے کا موقع ملے گا، دوسرے باہر سے آنے والے لوگوں کو آپؐ کی حیثیت کا پتہ لگ جائے گا۔ بہرحال جب یہ اراشہ وہاں پہنچا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنا مدعا بیان کیا کہ اس طرح مَیں نے ابوجہل سے رقم لینی ہے۔ قریش نے اس آدمی کے پیچھے بھی اپنا ایک آدمی بھیج دیا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ بہرحال اس نے جب آنحضرت ﷺ کو اپنی کہانی سنائی اور یہ ذکر کیا کہ ابو الحکم نے میری رقم دبا رکھی ہے اور مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپؐ ہی ہیں جو میری رقم دلوا سکتے ہیں۔ آپؐ کی بڑی منت کی کہ مجھے یہ رقم دلوا دیں۔ آپؐ فوراً اٹھے اور کہا چلو مَیں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ ابوجہل کے مکان پر آئے اور دروازے پر دستک دی، اس کو باہر بلوایا۔ وہ باہر آیا تو آپؐ کی شکل دیکھتے ہی ایک دم حیران پریشان ہوگیا۔ آپؐ نے کہا تم نے اس آدمی کی یہ رقم دینی تھی وہ تم ادا کر دو۔ اس نے کہا ٹھہریں مَیں ابھی رقم لے کے آتا ہوں۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ اس وقت ابوجہل کا رنگ بالکل فق ہو رہا تھا۔ کہا محمد! ٹھہرو مَیں ابھی اس کی رقم لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ رقم لے کر آیا اور اسی وقت اس شخص کے حوالے کر دی۔ اور وہ بھی آنحضرت ﷺ کا شکریہ ادا کرکے چلا گیا۔ پھر وہ قریش کی مجلس میں دوبارہ گیا اور ان کا بھی شکریہ ادا کیا کہ تم نے مجھے صحیح آدمی کا پتہ بتایا تھا جس کی وجہ سے مجھے رقم مل گئی ہے۔ اس پر وہ جو سارے رؤسا بیٹھے تھے بڑے پریشان ہوئے۔ پھر جب وہ آدمی جس کو پیچھے بھیجا تھا آیا تو اس سے پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔ اس نے یہ سارا قصہ سنایا تو یہ سب لوگ بڑے حیران تھے۔ تھوڑی دیر بعد ابو جہل خود بھی وہاں اس مجلس میں آ گیا تو اس کو دیکھتے ہی لوگوں نے پوچھا یہ تم نے کیا کیا کہ فوری طور پر اندر گئے اور ساری رقم واپس کر دی۔ اس قدر تم محمد سے ڈر گئے تھے۔ اس نے کہا خدا کی قسم! جب مَیں نے محمد کو اپنے دروازے پر دیکھا تو مجھے یوں نظر آیا کہ اس کے ساتھ لگا ہوا ایک مست اور غضب ناک اونٹ کھڑا ہے اور مَیں سمجھتا تھا کہ مَیں نے اگر ذرا بھی چون و چرا کیا تو وہ اونٹ مجھے چبا جائے گا۔

(بحوالہ سیرت خاتم النبیین صفحہ 162-163

السیرۃ النبویۃ لابن ھشام صفحہ 281 زیر أمر الأراشی الذی باع اباجھل ابلہ)

آنحضرتؐ کی شجاعت کے لئے تو یہ نمونہ کافی ہے

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

’’مَیں رسول کریم ﷺ کے ساتھ غار میں تھا۔ میں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو تعاقب کرنے والوں کے پاؤں دکھائی دیئے۔ اس پر مَیں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی نظر نیچے کرے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا اے ابو بکر! ہم دو ہیں اور ہمارے ساتھ تیسرا خدا ہے۔ تو جہاں یہ واقعہ خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین کا اظہار کرتا ہے۔ وہاں آپؐ کی جرأت و شجاعت کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔ آپؐ خاموشی سے اشارہ بھی کر سکتے تھے کہ خاموش رہو۔ باہر لوگ کھڑے ہیں بولو نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین کی وجہ سے آپؐ میں جو جرأت تھی اس کی وجہ سے دشمن کے سر پر کھڑا ہونے کے باوجود اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ابو بکر فکر نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے‘‘

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ھجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ)

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

’’آپؐ کی کمال شجاعت کو دیکھو کہ دشمن سر پر ہے اور آپؐ اپنے رفیق صادق صدیق رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ: 40) یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؐ نے زبان ہی سے فرمایا کیونکہ یہ آواز کو چاہتے ہیں، اشارہ سے کام نہیں چلتا، باہر دشمن مشورہ کر رہے ہیں اور اندر غار میں خادم و مخدوم بھی باتوں میں لگے ہوئے ہیں، اس امر کی پروا نہیں کی گئی کہ دشمن آواز سن لیں گے، یہ اللہ تعالیٰ پر کمال ایمان اور معرفت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا بھروسہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی شجاعت کے لئے تو یہ نمونہ کافی ہے‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 250-251 ایڈیشن 1988ء)

آپؐ کو کوئی گھبراہٹ نہیں تھی

پھر دشمن کے چلے جانے کے بعد اور یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ اب غار سے نکل کر اگلا سفر شروع کیا جا سکتا ہے۔ آپؐ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار سے نکلے اور جو بھی انتظام کیا تھا اس کے مطابق وہاں سواریاں پہنچ گئی تھیں۔ ان پر سوار ہوئے اور سفر شروع ہو گیا۔ لیکن کفار مکّہ نے آپؐ کے پکڑے جانے کے لئے 100 اونٹ کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ اور اس کے لالچ میں کئی لوگ آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ ان میں ایک سراقہ رضی اللہ عنہ بن مالک بھی تھے تو ان کا بیان ہے کہ:

’’مَیں گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے رسول کریم ﷺ کے اس قدر نزدیک ہو گیا کہ میں آپؐ کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ آپؐ دائیں بائیں بالکل نہیں دیکھتے تھے ہاں حضرت ابو بکرؓ بار بار دیکھتے جاتے تھے۔ تو اس حالت میں بھی آپؐ کو کوئی گھبراہٹ نہیں تھی بلکہ آرام سے کلام الٰہی کی تلاوت فرما رہے تھے‘‘

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ھجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ)

دشمن کے حملوں کے وقت آپؐ جرأت و بہادری کے حیران کن اعلیٰ جوہر دکھا رہے ہوتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بہت بہادر تھے مگر آپؐ ان سب سے آگے صفِ اول میں تھے۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

’’خدا کی قسم جب شدید لڑائی شروع ہو جاتی تو ہم رسول کریمؐ کو ڈھال بنا کر لڑتے تھے۔ اور ہم میں سے بہادر وہی سمجھا جاتا تھا جو رسول کریمؐ کے شانہ بشانہ لڑتا تھا۔‘‘ (مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ حنین)

آپؐ خطرے کے وقت دوسروں کے لئے ڈھال بن جاتے

پھر جنگ بدر کے موقع پر آپؐ کی جرأت و بہادری کا ایک واقعہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ:

’’رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ مدینے سے روانہ ہوئے اور مشرکین سے پہلے بدر کے میدان میں پہنچ گئے۔ پھر مشرکین بھی پہنچ گئے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آگے نہ بڑھے جب تک مَیں اس سے آگے نہ ہوں‘‘

(مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 136-137 مطبوعہ بیروت)

غزوہ احد میں بعض اوقات آنحضرت ﷺ قریباً اکیلے ہی رہ جاتے تھے۔ کسی ایسے ہی موقعہ پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مشرک بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا ایک پتھر آپؐ کے چہرہ مبارک پر لگا جس سے آپؐ کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور ہونٹ بھی زخمی ہوا۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایک اور پتھر جو عبداللہ بن شہاب نے پھینکا تھا اس نے آپؐ کی پیشانی کو زخمی کیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد تیسرا پتھر جو ابن قمئہ نے پھینکا تھا آپؐ کے رخسار مبارک پر لگا جس سے آپؐ کے خود کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسار میں چبھ گئیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام غزوۃ احد مالقیہ الرسول یوم احد)

جنگ اُحد میں رسول اللہ ﷺ زخمی ہونے کے بعد جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک گھاٹی میں ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ابی بن خلف نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر للکارتے ہوئے پکارا کہ اے محمد ﷺ اگر آج تم بچ گئے تو میری زندگی عبث ہے، فضول ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی اس کی طرف بڑھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اسے چھوڑ دو اور راستے سے ہٹ جاؤ۔ اسے میری طرف آنے دو جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آیا تو حضور ﷺ نے نیزہ تھام لیا اور آگے بڑھ کر اس کی گردن پر ایک ہی وار کیا جس سے وہ چنگھاڑتا ہوا مڑا اور اپنے گھوڑے سے زمین پر گر گیا، قلابازیاں کھانے لگا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، غزوۃ احد، مقتل ابی بن خلف)

غزوہ اُحد کے اگلے دن جب رسول کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ پہنچے تو آپؐ کو یہ اطلاع ملی کہ کفار مکّہ دوبارہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہے ہیں کیونکہ بعض قریش ایک دوسرے کو یہ طعنے دے رہے تھے کہ نہ تو تم نے محمد کو قتل کیا۔ (نعوذ باللہ)۔ اور نہ مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنایا اور نہ ان کے مال و متاع پر قبضہ کیا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے ان کے تعاقب کا فیصلہ کیا۔ حضور ﷺ نے اس بات کا اعلان فرمایا کہ ہم دشمن کا تعاقب کریں گے اور اس تعاقب کے لئے میرے ساتھ صرف وہ صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہوں گے جو گزشتہ روز غزوۂ اُحد میں شامل ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد ذکر عدد مغازی رسول اللہ غزوۃ رسول اللہ ﷺ حمراء الاسد)

ایک دفعہ ایک شخص حضرت براء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے جنگ حنین کے موقع پر دشمن کے مقابلے پر پیٹھ پھیر لی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مَیں سب کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میں آنحضرتؐ کے بارے میں ضرور گواہی دوں گا کہ آپؐ نے دشمن کے شدید حملے کے وقت بھی پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ پھر انہوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہوازن قبیلے کے خلاف جب مسلمانوں کا لشکر نکلا تو انہوں نے بہت ہلکے پھلکے ہتھیار پہنے ہوئے تھے یعنی ان کے پاس زرہیں وغیرہ اور بڑا اسلحہ نہیں تھا اور ان میں بہت سے ایسے تھے جو بالکل نہتّے تھے۔ لیکن اس کے مقابل پر ہوازن کے لوگ بڑے کہنہ مشق تیر انداز تھے۔ جب مسلمانوں کا لشکر ان کی طرف بڑھا تو انہوں نے اس لشکر پر تیروں کی ایسی بوچھاڑ کر دی جیسے ٹڈی دل کھیتوں پر حملہ کرتی ہے۔ اس حملے کی تاب نہ لا کر مسلمان بکھر گئے۔ لیکن اُن کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھا۔ حضور ﷺ ایک خچر پر سوار تھے جسے آپؐ کے چچا ابو سفیان بن حارث لگام سے پکڑے ہوئے ہانک رہے تھے۔ جب مسلمانوں کو اس طرح بکھرتے ہوئے دیکھا تو آپؐ کچھ وقفے کے لئے اپنے خچر سے نیچے اترے اور اپنے مولا کے حضور دعا کی۔ پھر آپؐ خچر پر سوار ہو کر مسلمانوں کو مدد کے لئے بلاتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے اور آپؐ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں خدا کا نبی ہوں اور یہ سچی بات ہے لیکن میں وہی عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ یعنی میری غیر معمولی جرأت دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ میں کوئی فوق البشر چیز ہوں۔ ایک انسان ہوں اور اسی طرح جرأت دکھا رہا ہوں۔ اور آپؐ یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ نَزِّلْ نَصْرَکَ اے خدا! اپنی مدد نازل کر۔ پھر حضرت براء نے کہا کہ حضور ﷺ کی شجاعت کا حال سنو کہ جب جنگ جوبن پر ہوتی تھی تو ہم لوگ اس وقت حضور ﷺ کو ہی اپنی ڈھال اور اپنی آڑ بنایا کرتے تھے اور ہم میں سے سب سے زیادہ وہی بہادر سمجھا جاتا تھا جو حضور ﷺ کے شانہ بشانہ لڑتا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ حنین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ:

’’نبی کریم ﷺ سب انسانوں سے زیادہ خوبصورت تھے اور سب انسانوں سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا۔ کسی طرف سے کوئی آواز آئی اور لوگ آواز کی طرف دوڑے۔ تو سامنے سے نبی کریم ﷺ آتے ہوئے ملے۔ آپؐ بات کی چھان بین کر کے واپس آرہے تھے۔ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔ آپؐ نے اپنی گردن میں تلوار لٹکائی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ان لوگوں کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ڈرو نہیں، ڈرو نہیں مَیں دیکھ کر آیا ہوں کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اس کو تیز رفتاری میں سمندر جیسا پایا۔

(صحیح بخاری-کتاب الجہاد-باب الحمائل وتعلیق السیف بالعنق)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام آپؐ کی جرأت و شجاعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

’’ایک وقت ہے کہ آپ فصاحت بیانی سے ایک گروہ کو تصویر کی صورت حیران کر رہے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ تیرو تلوار کے میدان میں بڑھ کر شجاعت دکھاتے ہیں۔ سخاوت پر آتے ہیں تو سونے کے پہاڑ بخشتے ہیں۔ حلم میں اپنی شان دکھاتے ہیں تو واجب القتل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کا بے نظیر اور کامل نمونہ ہے جو خدا تعالیٰ نے دکھا دیا ہے۔ اس کی مثال ایک بڑے عظیم الشان درخت کی ہے جس کے سایہ میں بیٹھ کر انسان اس کے ہر جزو سے اپنی ضرورتوں کو پورا کر لے۔ اس کا پھل، اس کا پھول اور اس کی چھال، اس کے پتے غرضیکہ ہر چیز مفید ہو۔ آنحضرت ﷺ اس عظیم الشان درخت کی مثال ہیں جس کا سایہ ایسا ہے کہ کروڑ ہا مخلوق اس میں مرغی کے پروں کی طرح آرام اور پناہ لیتی ہے۔ لڑائی میں سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا تھا جو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتا تھا۔ کیونکہ آپؐ بڑے خطرناک مقام میں ہوتے تھے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ اُحد میں دیکھو کہ تلواروں پر تلواریں پڑتی ہیں ایسی گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم برداشت نہیں کر سکتے مگر یہ مرد میدان سینہ سپر ہو کر لڑ رہا ہے۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا قصور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا بلکہ اس میں بھید یہ تھا کہ تا رسول اللہ ﷺ کی شجاعت کا نمونہ دکھایا جاوے۔ ایک موقع پر تلوار پر تلوار پڑتی تھی اور آپؐ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ میں ہوں کہتے ہیں حضرت کی پیشانی پر ستر زخم لگے مگر زخم خفیف تھے۔ یہ خُلقِ عظیم تھا۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 84 جدید ایڈیشن- رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء صفحہ 152-153)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپؐ کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جہاد بالقلم

حضرت نبی اکرم ﷺ کے روشن سنہرے دور پر صدیاں گزرتی گئیں۔ اسلام کی حالت نبی سے دوری پر کمزور ہوتی گئی اور طاغوتی طاقتیں بتدریج ان پر تسلط حاصل کرتی رہیں۔ چودہ سو سال ہو گئے بحر و بر میں فساد پھیل گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے پیش خبریوں کے مطابق اسلام کی نشأۃ

ثانیہ کے لئے اپنی تائید و نصرت کے ساتھ ایک فنافی اللہ جَرِی اللہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو نبیوں کے لبادہ میں شیطان سے جنگِ روحانی کے لئے بھیجا اور زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کی۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’اس نے آپ اپنے مکالمہ میں اس عاجز کی نسبت فرمایا کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اس کو قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا اور میں کبھی امید نہیں کرسکتا کہ وہ حملے بغیر ہونے کے رہیں گے گو ان کا ظہور میرے اختیار میں نہیں۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں سچا ہوں۔ پیارو! یقیناً سمجھو کہ جب تک آسمان کا خدا کسی کے ساتھ نہ ہو ایسی شجاعت کبھی نہیں دکھاتا کہ ایک دنیا کے مقابل پر استقامت کے ساتھ کھڑا ہوجائے اور ان باتوں کا دعویٰ کرے جو اس کے اختیار سے باہر ہیں جو شخص قوت اور استقامت کے ساتھ ایک دنیا کے مقابل پر کھڑا ہو جاتا ہے کیا وہ آپ سے کھڑا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اس ذات قدیر کی پناہ سے اور ایک غیبی ہاتھ کے سہارے سے کھڑا ہوتا ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمام زمین وآسمان اور ہر ایک روح اور جسم ہے سو آنکھیں کھولو اور سمجھ لو کہ اس خدا نے مجھ عاجز کو یہ قوت اور استقامت دی ہے جس کے مکالمہ سے مجھے عزت حاصل ہے۔‘‘

(آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 333)

’’مجھے اُس خدائے کریم وعزیز کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اور اُس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں اور اُس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالے گا جب تک وہ اپنا تمام کام پورا نہ کر لے جس کا اُس نے ارادہ فرمایا ہے‘‘

(اربعین حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 348)

آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

’’میرے پر ایسی رات کوئی کم گزرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلّی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں۔‘‘

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 49)

ہندوستان میں حضرت اقدس علیہ السلام ایک مذہبی سکالر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے اور عام مسلمان سمجھتے تھے کہ یہی شخص اس تاریک دور میں اسلام کے دفاع کے لئے علم اور صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر جوں ہی آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماموریت کا اعلان فرمایا اور سب ادیان پر اسلام کی حقانیت ثابت کی تو ہندو، سکھ، عیسائی اور متعصب مسلمان سب آپ کے خلاف ہوگئے۔ فرد واحد غیر معمولی جواں مردی کے ساتھ خم ٹھونک کے میدان میں آ گیا۔ اللہ پاک نے اسے اس دور کے لئے یضع الحرب کا ارشاد فرمایا تھا اور تیر و تلوار کی جگہ دعا، قلم اور قرآنی علوم سے لیس کیا تھا یہی وہ ذوالفقار تھی جو حق و باطل کی جنگ میں ہتھیار بنی۔ زندہ خدا، زندہ قرآن اور زندہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا۔ اسلام کی حمایت اور دفاع میں براہین احمدیہ تصنیف کی۔ جو جنگ روحانی کے لئے اسلحہ خانہ تھا۔

کوتاہ اندیش مولوی جن کو اپنی جہالت کی دکانیں بند ہونے کا خوف پیدا ہوگیا تھا آپ کے معاون و مددگار بننے کی بجائے آپ کی مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہو گئے۔ یہی وہ دشمن دین تھے جنہیں ہر میدان بدر و احد میں آپؑ کی غیرت دینی اور جوش و تپش نے دعا اور دلائل علمی کی تیز تلوار سے دندان شکن شکست دی۔

جنگ یہ بڑھ کر ہے جنگ روس اور جاپان سے
میں غریب اور ہے مقابل پر حریفِ نامدار
اے خدا! شیطاں پہ مجھ کو فتح دے رحمت کے ساتھ
وہ اکٹھی کر رہا ہے اپنی فوجیں بے شمار

آپؑ وہ شجاع تھے کہ للکار للکار کر مقابلے کی دعوت دیتے۔ اور تحدّی سے اپنی فتح کا قبل از وقت اعلان فرماتے۔ ان مہمات دینیہ میں سرفروشی اور فتح کا یقین آپؑ کے ہی پُرشوکت الفاظ میں درج ہے:

’’اگر ایک دنیا جمع ہو کر میرے اس امتحان کے لئے آوے تو مجھے غالب پائے گی۔ اور اگر تمام لوگ میرے مقابل پر اُٹھیں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا ہی پلہ بھاری ہو گا۔ دیکھو! میں صاف صاف کہتا ہوں اور کھول کر کہتا ہوں کہ اس وقت اے مسلمانو! تم میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو مفسّر اور محدّث کہلاتے ہیں اور قرآن کے معارف اور حقائق جاننے کے مدعی ہیں اور بلاغت اور فصاحت کا دم مارتے ہیں اور وہ لوگ بھی موجود ہیں جو فقراء کہلاتے ہیں اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی وغیرہ ناموں سے اپنے تئیں موسوم کرتے ہیں۔ اُٹھو! اور اس وقت اُن کو میرے مقابلہ پر لاؤ۔ پس اگر میں اس دعوے میں جھوٹا ہوں کہ یہ دونوں شانیں یعنی شانِ عیسوی اور شانِ محمدی مجھ میں جمع ہیں۔ اگر میں وہ نہیں ہوں جس میں یہ دونوں شانیں جمع ہوں گی اور ذوالبروزین ہو گا تو میں اس مقابلہ میں مغلوب ہو جاؤں گا ورنہ غالب آ جاؤں گا۔ مجھے خدا کے فضل سے توفیق دی گئی ہے کہ میں شانِ عیسوی کی طرز سے دنیوی برکات کے متعلق کوئی نشان دکھلاؤں یا شانِ محمدی کی طرز سے حقائق و معارف اور نکات اور اسرارِ شریعت بیان کروں اور میدانِ بلاغت میں قوتِ ناطقہ کا گھوڑا دوڑاؤں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے اور محض اُسی کے ارادے سے زمین پر بجز میرے ان دونوں نشانوں کا جامع اور کوئی نہیں ہے۔ اور پہلے سے لکھا گیا تھا کہ ان دونوں نشانوں کا جامع ایک ہی شخص ہو گا جو آخر زمانہ میں پیدا ہو گا اور اُس کے وجود کا آدھا حصہ عیسوی شان کا ہو گا اور آدھا حصہ محمدی شان کا سو وہی مَیں ہوں جس نے دیکھنا ہو دیکھے جس نے پرکھنا ہو پرکھے مبارک وہ جو اب بخل نہ کرے۔ اور نہایت بدبخت وہ جو روشنی پا کر تاریکی کو اختیار کرے۔‘‘

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 407-408)

نیز آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’چونکہ میں حق پر ہوں اور دیکھتا ہوں کہ خدا میرے ساتھ ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اس لئے میں بڑے اطمینان اور یقین کامل سے کہتا ہوں کہ اگر میری ساری قوم کیا پنجاب کے رہنے والے اور کیا ہندوستان کے باشندے اور کیا عرب کے مسلمان اور کیا روم اور فارس کے کلمہ گو اور کیا افریقہ اور دیگر بلاد کے اہل اسلام اور اُن کے علماء اور اُن کے فقراء اور اُن کے مشائخ اور اُن کے صلحاء اور اُن کے مرد اور اُن کی عورتیں مجھے کاذب خیال کر کے پھر میرے مقابل پر دیکھنا چاہیں کہ قبولیت کے نشان مجھ میں ہیں یا اُن میں۔ اور آسمانی دروازے مجھ پر کھلتے ہیں یا اُن پر۔ اور وہ محبوب حقیقی اپنی خاص عنایات اور اپنے علوم لدنیہ اور معارف روحانیہ کے القاء کی وجہ سے میرے ساتھ ہے یا اُن کے ساتھ۔ تو بہت جلد اُن پر ظاہر ہوجائے گا کہ وہ خاص فضل اور خاص رحمت جس سے دل مورد فیوض کیا جاتا ہے اسی عاجز پر اس کی قوم سے زیادہ ہے۔ کوئی شخص اس بیان کو تکبّر کے رنگ میں نہ سمجھے بلکہ یہ تحدیث نعمت کی قسم میں سے ہے وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔‘‘

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 478 تا 479)

ہر طرف سے پڑ رہے ہیں دین احمدؐ پر تبر
کیا نہیں تم دیکھتے قوموں کو اور ان کے وہ وار
کھا رہا ہے دیں طمانچے ہاتھ سے قوموں کے آج
اک تزلزل میں پڑا اسلام کا عالی منار

قرآنی علوم اور فصاحت و بلاغت پر ناقابل شکست عبور

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں

’’مجھے ایک دفعہ یہ الہام ہوا کہ الرَّحمٰن علّم القراٰن۔ یَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰى شَفَتَيْكَ۔ یعنی خدا نے تجھے اے احمد! قرآن سکھلایا اور تیرے لبوں پر رحمت جاری کی گئی۔ اور اس الہام کی تفہیم مجھے اِس طرح پر ہوئی کہ کرامت اور نشان کے طور پر قرآن اور زبان قرآن کی نسبت دو طرح کی نعمتیں مجھ کو عطا کی گئی ہیں۔ (1) ایک یہ کہ معارف عالیہ فرقان حمید بطور خارق عادت مجھ کو سکھلائے گئے جن میں دُوسرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ (2) دوسرے یہ کہ زبانِ قرآن یعنی عربی میں وہ بلاغت اور فصاحت مجھے دی گئی کہ اگر تمام علماء مخالفین باہم اتفاق کر کے بھی اِس میں میرا مقابلہ کرنا چاہیں تو ناکام اور نامراد رہیں گے اور وہ دیکھ لیں گے کہ جو حلاوت اور بلاغت اور فصاحت لسان عربی مع التزام حقائق و معارف و نکات میری کلام میں ہے وہ ان کو اور ان کے دوستوں اور ان کے استادوں اور ان کے بزرگوں کو ہرگز حاصل نہیں۔ اس الہام کے بعد میں نے قرآن شریف کے بعض مقامات اور بعض سورتوں کی تفسیریں لکھیں اور نیز عربی زبان میں کئی کتابیں نہایت بلیغ و فصیح تالیف کیں اور مخالفوں کو ان کے مقابلہ کے لئے بلایا بلکہ بڑے بڑے انعام ان کے لئے مقرر کئے اگر وہ مقابلہ کرسکیں اور ان میں سے جو نامی آدمی تھے جیسا کہ میاں نذیر حسین دہلوی اور ابوسعید محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السُّنہ ان لوگوں کو بار بار اس امر کی طرف دعوت کی گئی کہ اگر کچھ بھی ان کو علم قرآن میں دخل ہے یا زبان عربی میں مہارت ہے یا مجھے میرے دعویٰ مسیحیت میں کاذب سمجھتے ہیں تو ان حقائق و معارف پُر از بلاغت کی نظیر پیش کریں جو میں نے کتابوں میں اِس دعویٰ کے ساتھ لکھے ہیں کہ وہ انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خدا تعالیٰ کے نشان ہیں مگر وہ لوگ مقابلہ سے عاجز آ گئے۔ نہ تو وہ ان حقائق معارف کی نظیر پیش کر سکے جن کو میں نے بعض قرآنی آیات اور سورتوں کی تفسیر لکھتے وقت اپنی کتابوں میں تحریر کیا تھا اور نہ اُن بلیغ اور فصیح کتابوں کی طرح دو سطر بھی لکھ سکے جو میں نے عربی میں تالیف کر کے شائع کی تھیں۔ چنانچہ جس شخص نے میری کتاب نور الحق اور کرامات الصادقین اور سرّ الخلافۃ اور اتمام الحجّۃ وغیرہ رسائل عربیہ پڑھے ہوں گے اور نیز میرے رسالہ انجام آتھم اور نجم الہدیٰ کی عربی عبارت کو دیکھا ہو گا وہ اِس بات کو بخوبی سمجھ لے گا کہ ان کتابوں میں کس زور شور سے بلاغت فصاحت کے لوازم کو نظم اور نثر میں بجالایا گیا ہے اور پھر کس زور شور سے تمام مخالف مولویوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ علم قرآن اور بلاغت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں تو ان کتابوں کی نظیر پیش کریں ورنہ میرے اس کاروبار کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر میری حقّیت کا نشان اس کو قرار دیں لیکن افسوس کہ ان مولویوں نے نہ تو انکار کو چھوڑا اور نہ میری کتابوں کی نظیر بنانے پر قادر ہو سکے۔ بہرحال ان پر خدا تعالیٰ کی حجت پوری ہوگئی اور وہ اُس الزام کے نیچے آ گئے جس کے نیچے تمام وہ منکرین ہیں جنہوں نے خدا کے مامورین سے سرکشی کی۔‘‘

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 230-231)

ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

آپ علیہ السلام کے بیان میں شان اور شوکت پائی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

’’میں عربوں کے دعویٰ ادب و فصاحت و بلاغت کو بالکل توڑنا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ جو اخبار نویس ہیں اور چند سطریں لکھ کر اپنے آپ کو اہل زبان اور ادیب قرار دیتے ہیں وہ اس اعجاز کے مقابلہ میں قلم اٹھا کر دیکھ لیں۔ ان کے قلم توڑ دیئے جائیں گے اور اگر ان میں کچھ طاقت ہے اور قوت ہے تو وہ اکیلے اکیلے یا سب کے سب مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ پھر انہیں معلوم ہو جائے گا اور یہ راز بھی کھل جائے گا جو یہ ناواقف کہا کرتے ہیں کہ عربوں کو ہزار روپے کے نوٹ دے کر کتابیں لکھائی جاتی ہیں۔ اب معلوم ہو جائے گا کہ کون عرب ہے جو ایسی فصیح و بلیغ کتاب اور ایسے حقائق و معارف سے پر لکھ سکتا ہے۔ جو کتابیں یہ ادب و انشا کا دعویٰ کرنے والے لکھتے ہیں ان کی مثال پتھروں کی سی ہے کہ سخت، نرم، سیاہ، سفید پتھر جمع کر کے رکھے جائیں مگر یہ تو ایک لذیذ اور شیریں چیز ہے جس میں حقائق اور معارف قرآنی کے اجزا ترکیب دیے گئے ہیں۔ غرض جو بات روح القدس کی تائید سے لکھی جاوے اور جو الفاظ اس کے القا سے آتے ہیں وہ اپنے ساتھ ایک حلاوت رکھتے ہیں اور اس حلاوت میں ملی ہوئی شوکت اور قوت ہوتی ہے جو دوسروں کو اس پر قادر نہیں ہونے دیتی۔‘‘

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 375 ایڈیشن 1984ء)

’’میرے معجزات اور دیگر دلائل نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے طلبِ ثبوت کے لئے بعض منتخب علماء ندوہ کے قادیان میں آویں اور مجھ سے معجزات اور دلائل یعنی نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کا ثبوت لیں پھر اگر سنّت انبیاء علیہم السلام کے مطابق میں نے پورا ثبوت نہ دیا تو میں راضی ہوں کہ میری کتابیں جلائی جائیں‘‘ (تحفۃ الندوہ، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 101)

حیاتِ مسیح کے عقیدے کو جڑ سے اکھاڑ دیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’مجھے خدا نے اپنی طرف سے قوت دی ہے کہ میرے مقابل پر مباحثہ کے وقت کوئی پادری ٹھہر نہیں سکتا اور میرا رُعب عیسائی علماء پر خدا نے ایسا ڈال دیا ہے کہ اُن کو طاقت نہیں رہی کہ میرے مقابلہ پر آسکیں۔ چونکہ خدا نے مجھے رُوح القدس سے تائید بخشی ہے اور اپنا فرشتہ میرے ساتھ کیا ہے اس لئے کوئی پادری میرے مقابل پر آہی نہیں سکتا یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا کوئی پیشگوئی ظہور میں نہیں آئی اور اب بُلائے جاتے ہیں پر نہیں آتے اس کا یہی سبب ہے کہ ان کے دلوں میں خدا نے ڈال دیا ہے کہ اس شخص کے مقابل پر ہمیں بجز شکست کے اور کچھ نہیں۔‘‘

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 149-150)

اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن

دائمی فتح کا اعلان

حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے کس تحدّی اور جلال کے ساتھ فرمایا ہے:

’’اے تمام لوگو! سن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا۔ اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے گی ....میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے‘‘

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 66-67)

یہ فتوحاتِ نمایاں یہ تواتر سے نشاں
کیا یہ ممکن ہیں بشر سے کیا یہ مکاروں کا کار

بقیہ: اسلام کا پانچواں رُکن حج ...... از صفحہ 8

ذوالحج کو صرف بڑے شیطان کو کنکر مارے جاتے ہیں۔ کنکر مارنے کو ’’رمی‘‘ کرنا بھی کہا جاتا ہے۔

6. کنکر مارنے کے بعد اگر قربانی کا جانور ذبح ہو چکا ہو تو اُس کے بعد عازمینِ حج کو نہانے اور لباس تبدیل کرنے کی اجازت ہوتی ہے

7. اسی دن شام کو یا پھر اگلے روز گیارویں ذوالحج کو واپس مکہ جاکر حج کا طواف کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ دسویں ذوالحج کو جاتے ہیں اور کچھ لوگ گیارویں ذوالحج کو جاتے ہیں۔ مکہ سے واپس آ کر دو دن مسلسل ’’رمی‘‘ یعنی شیطان کو پتھر مارنا ہے۔ اس طرح شیطان کو پتھر مارنے کے دن تین بنتے ہیں، شیطان کو تین دن مسلسل کنکر مارنا مناسک حج کا حصہ ہیں۔ بارہ ذوالحج کو منیٰ سے واپس مکہ کی طرف روانہ ہو کر خانہ کعبہ میں الوداعی طواف کرنا ہے۔ یوں آٹھ ذوالحج سے لے کر بارہ ذوالحج تک حج کے مناسک بالترتیب پورے ہو جاتے ہیں۔

دورانِ حج قابلِ زیارت مقامات

دورانِ حج بہت سے مقامات اور جگہیں ہیں جہاں عازمین حج کے لئے زیارت کرنا لازمی ہے۔ کچھ مقامات مکہ کے اندر ہیں اور کچھ حد سے باہر ہیں۔ عازمین حج یا عمرہ کی زیارت کرنے والے مسلمان ان مقامات پر کی زیارت بہت جوش، محبت اور عقیدت سے کرتے ہیں۔

مکّہ کے اندر مندرجہ ذیل مقامات ہیں:

بیت اللہ، یعنی وہ گھر جو ہمیشہ سے اللہ میاں نے اپنے نام زمین پر لگا یا ہوا ہے۔ اور جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ نے زمین میں دبا ہوا نکال کر تعمیر کیا۔ یہ تمام عالم کا قبلہ ہے جو مسجد الحرام کے اندر ہے۔

حطیم۔ خانہ کعبہ کے شمال طرف کمان کی صورت میں ایک خالی جگہ ہے، یہ کسی وقت خانہ کعبہ کا حصہ ہوتی تھی، مگر ایک وقت میں جب قریش اس کے متولی تھے، خانہ کعبہ کو بارشوں کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا۔ تعمیر دوبارہ کرنا پڑی مگر چھت کی لکڑی کم ہوگئی تو اتنا حصہ چھوڑ دیا گیا۔ اس وقت سے یہ حصہ جوں کا توں کھلا ہے، زائرین یہاں داخل ہوتے اور نمازیں پڑھتے ہیں

حجرِ اسود۔ خانہ کعبہ کے دروازے کے ساتھ مشرقی کونے میں ایک سیاہ رنگ کا پتھر لگا ہوا ہے، جسے حجرِ اسود کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے، آنحضور ﷺ اسے بوسہ دیتے تھے۔ مسلمان بھی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متبرک سمجھتے ہیں۔ اور طواف کے دوران اسے بوسہ دیتے ہیں۔

ملتزم۔ خانہ کعبہ کے دروازے اور حجرِ اسود کی درمیانی دیوار کو ملتزم کہتے ہیں۔ زائرین کعبہ کے اس حصہ کو سینے سے لگاتے ہیں۔

مطاف۔ خانہ کعبہ کے ارد گرد سنگِ مرمر کا بنا ہوا دائرہ ہے، یہاں طواف کیا جاتا ہے۔

مقامِ ابراہیم۔ بیت اللہ کے دروازے کے ایک گنبد نما قبہ ہے جس پر

غالباً بادشاہ عبدالعزیز نے پیتل چڑھا دیا تھا۔ یہ وہ پتھر ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے کھڑے ہو کر دعائیں کی تھیں۔ زائرین اسکے پاس دو نفل ادا کرتے ہیں۔

زمزم۔ خانہ کعبہ کی مشرقی دیوار سے چند گز دور جہاں ہاجرہؑ کے ننھے بچے کے پیروں سے پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں مارنے کی وجہ سے چشمہ پھوٹا تھا، یہ شعائر اللہ ہے۔ اب وہاں پر فرش بنا دیا گیا ہے مگر نیچے تہ خانے میں اسی جگہ پر پانی کا انتظام ہے،

صفا و مروہ۔ مسجد الحرام کے ساتھ ہی شرقاً غرباً دو پہاڑیاں، صفا اور مروہ کے نام سے ہیں، یہ شعائر اللہ ہیں اللہ تعالیٰ کلام پاک کا ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان پر بی بی ہاجرہؑ کی یاد میں تیز تیز چڑھتے اور اترتے ہیں، یہ عمل عمرہ اور حج کا حصہ ہیں۔ اس عبادت کو سعی کہتے ہیں۔

مکّہ سے باہر کے مقامات

مکّہ سے باہر کے مقامات میں، منٰی، میدانِ عرفات، مقامِ مزدلفہ، جمرات، شامل ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج کرنے اور اس کی تعلیمات کو اپنے اوپر لاگو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نبیلہ رفیق فوزی۔ ناروے

اسلام کا پانچواں رُکن حج

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ’’پہلا گھر جو بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو بکّہ میں ہے۔ وہ تمام جہانوں کے لئے مبارک اور موجبِ ہدایت ہے۔ اس میں کھلے کھلے نشانات ہیں یعنی ابراہیم کا مقام۔ اور جو بھی اسمیں داخل ہوا امن پانے والا ہے۔ اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کے گھر کا طواف کریں۔

(اٰل عمران:97-98)

حج کی تعریف اور فلسفہ

مذہبِ اسلام میں حج ایک ایسی عبادت ہے جو تمام دوسری عبادات کا مجموعہ ہے۔ کلمہ کہنا اور خدا کا ذکر کرنا لفظی عبادت ہے، نماز اور روزہ جسمانی، زکوٰۃ مالی عبادت ہے مگر اسلام کا یہ پانچواں رکن ان تمام عبادات کا مجموعہ ہے۔ حج کے لغوی معنی ارادہ کرنا، زیارت کرنا، اور غالب آنا ہیں۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں سال میں ایک مرتبہ ایک خاص مقررہ وقت میں مخصوص افعال سے، ایک خاص مکان (جسے بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہتے ہیں) کی زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں۔ ابراہیمی حج جس کی تاریخ تقریباً تین ہزار سال پرانی ہے۔ اصل میں حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے خاندان کی اپنے خالق و مالک سے بے پناہ محبت، فرمانبرداری اور فرمانبرداری کے نتیجے میں دی گئی قربانیوں کی بے مثال داستان ہے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے اس خاندان کی قربانیوں کو قبول کرتے ہوئے حجِ بیت اللہ کو اسلامی شریعت کے ارکان میں شامل کر کے ہمیشہ ہمیش کے لئے امر کر ڈالا ہے۔ وہ خاندان کس کا تھا؟ اسمیں کون کون شامل تھا؟ اور وہ قربانیاں کیسی تھیں؟ یہ ایک لمبی دلگداز داستان ہے۔ اس کا مختصر بیان یوں بنتا ہے کہ یہ داستان عاشق اور معشوق کی سچّی کہانی ہے جس میں معشوق ایک واحد ذات ہے مگر اسکے عاشق تین ہیں جنہوں نے اپنے معشوق کے عشق میں خارق عادت اعمال کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو اپنی بے پناہ صفات میں ایک صفت قدر دانی کی بھی رکھتا ہے نے اسی بیابان میں جہاں اس کا ایک عاشق اور فرمانبردار بندہ ابراہیم علیہ السلام اپنی پہلوٹھی اولاد اسماعیلؑ اور اپنی جوان بیوی ہاجرہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چھوڑ گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے اسی بیابان میں ان کے رزق کے ایسے سامان کر دیئے جو رہتی دنیا تک نشان بن گئے۔

امتحانات اور آزمائشوں کے ساتھ ساتھ چلنے والی نوازشات کا سلسلہ بھی مسلسل جاری رہا۔ بیابان میں کم سن بچے کی ماں حضرت ہاجرہ علیہ السلام کی قربانی قبول کی۔ حضرت ہاجرہؓ چلچلاتی دھوپ میں دو پہاڑیوں پر بے چینی کے عالم میں چڑھتی اور اترتی رہیں۔ اس بے چینی اور اضطراب کے دوران ہی اللہ تعالیٰ نے پیاس سے بے حال تڑپتے ننھے بچے کے پیروں تلے چشمہ پھوڑ دیا۔ اور بے چین ماں کے دونوں پہاڑیوں کے درمیان بھاگنے کے عمل کو ہمیشہ کے لئے اسلامی فریضے کا حصہ بنا دیا۔

ننھا اسماعیلؑ کچھ اور بڑا ہوا تو ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اپنے اسی بیٹے کو اپنے خدا کی راہ میں قربان کر دو، اللہ کا حکم پا کر باپ قربان کرنے کو اور بیٹا قربان ہونے کو تیار ہو گیا۔ شیطان نے باپ کو اپنے خالق و مالک کی بات ماننے پر ورغلایا مگر ابراہیمؑ نے شیطان کی ایک نہ مانی اور زمین سے کنکر اُٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے۔ حضرت ابراہیمؑ اس امتحان میں بھی پورے اترے۔

باپ بیٹے کی یہ ادا آسمانوں کے خالق کو اتنی پسند آئی کہ باپ بیٹے کی قربانی کو ہمیشہ کے لئے یادگار بنا دیا اور رہتی دنیا تک کو قربانی کو حج کے فریضہ میں شامل کر لیا۔ اور کنکر مارنے کا عمل ایسا خدا کو بھایا کہ اسنے سچے اور قائم رہنے والے دین کے ایک رکن میں اسے لازم کر دیا۔ قدر دان خدا نے اپنا پہلا گھر بنام، خانہ کعبہ جو نہ جانے کب سے زمین میں چھپا پڑا تھا، اسے ڈھونڈ کر دیواریں کھڑی کرنے کا اعزازی ذمّہ بھی اسی خاندان کو سونپا۔ اور اضافی فضیلت کے لئے اپنی جناب سے ایک بابرکت سیاہ پتھر نصب کروایا۔ کام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے جہاں کھڑے ہو کر اپنے رب سے اس گھر کے لئے عزت و شرف مانگا اسے بھی مقدس بنا دیا۔ جس پتھر پر کھڑے ہو کر دیواریں اونچی کی گئیں، اسی پتھر کو ساری مسلم دنیا کے لئے دعا اور مناجات کی جگہ بنایا گیا۔ لہٰذا اس مقدس چہار دیواری کی دیواریں اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا جو قرآن پاک کی سورہ الحج میں درج ہے۔

’’اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دُور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی اُن اُونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دُبلی ہوگئی ہوں۔‘‘ (سورۃ الحج) قرآنِ پاک میں اس پتھر کی جگہ پر نماز پڑھنے اور اسے نماز کی جگہ بنانے کی تلقین بھی کر دی۔ مختصر یہ کہ ابراہیمؑ، ہاجرہؓ، اور اسماعیلؑ تینوں نے اپنے خالقِ حقیقی سے ایسا عشق کیا کہ ان کی یہ عشقیہ داستان کو زندہ جاوید کرنے کے لئے خدائے بزرگ وبرتر نے انہیں کے کئے ہوئے اعمال کو دینِ ابراہیم کی عبادت کا حصہ بنا دیا۔ اور ابراہیمؑ کے خاندان کی عبادت کی ادائیں آنے والے پیروکاروں کے خون میں ایسے سرائت کر چکی ہیں کہ جب بھی کوئی مسلمان روح اس عبادت کا قصد کرتی ہے تو، آٹھ ذوالحج سے لے کر بارہ ذوالحج تک اسکی ذہنی اور جسمانی حالت ایک مجنون عاشق جیسی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو رہتی دنیا تک رکھنے کے لئے، ابراہیمی دعا کو ایسے سنا کہ اس بے آب وگیاہ وادی کو مکّہ مکرمہ بنا کر اسماعیلؑ کی نسل سے ایسا پرشوکت نبی ﷺ اتارا جس نے ابراہیم کے دین حنیف کو تکمیل دی اور بنی نوع انسان کو قیامت تک نور ہدایت سے فیض یاب کر دیا۔ احرام میں لپٹے مرد وزن بکھرے بالوں کے ساتھ ’’میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں‘‘ کہتے ہوئے کبھی کسی دیوار کو چومتے ہیں تو کبھی کسی کونے سے جا لپٹتے ہیں، کبھی شمالی کونے میں لگے کالے پتھر کو چومنے کی کوشش میں اپنے ہی جیسوں کو دھکے دے دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے رستہ بناتے ہیں تو کبھی اس گھر پر پڑے غلاف کو چومنا شروع کر دیتے ہیں، ایسا دیوانہ پن ہے کہ طواف کرنے والا بالکل جنونی لگتا ہے۔ حج کی عبادت بجالانے والا وجود جونہی احرام باندھ لیتا ہے اسکی اندرونی، اور روحانی حالت بالکل بدل جاتی ہے، اسکے پاؤں تیز تر ہو جاتے ہیں اور زبان محض لبّیک لبّیک پکار رہی ہوتی ہے، طواف کے وقت، حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے حطیم میں سجدے کرتے ہوئے،

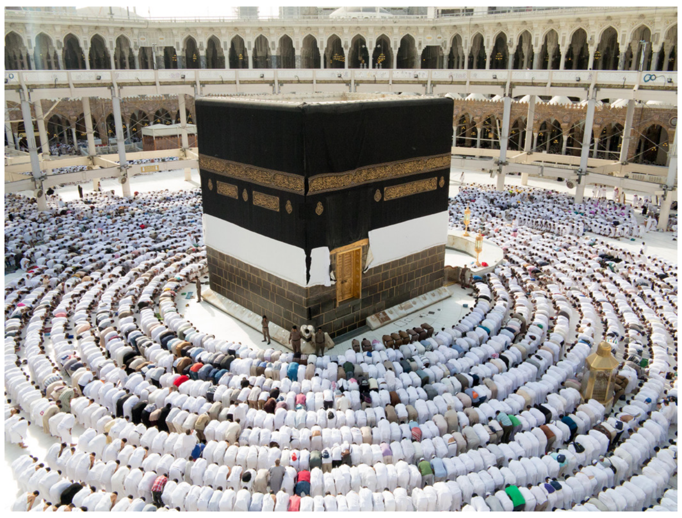

خانہ کعبہ کی مبارک دیواروں اور پردوں سے لپٹتے ہوئے اسے اپنے آس پاس اور کچھ نظر نہیں آتا، اُس کی حالت کسی دیوانے سے کم نہیں ہوتی، صرف اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ شعائر اللہ کو چھونا، انہیں محسوس کرنا، انہیں آنکھوں میں بھرنا اور اپنے رب سے تڑپ تڑپ کر دعائیں اور استغفار کرنا ہی جیسے اس کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ بس اسی چیز کا نام حج ہے۔

اور اگر اس کو اجتماعی طور پر دیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے توحید پرستوں پر اسے عبادت کے طور پر رائج کر کے اُمّت کے لئے بہت سے فائدے اور برکات کے رستے کھولے ہیں۔

ایک خوبصورت حدیثِ مبارکہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک خطاب میں فرمایا ’’اے لوگوں تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے۔ اس لئے تم حج کیا کرو۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا ضروری ہے؟ آپؐ خاموش رہے۔ سوال تین مرتبہ دہرایا گیا تو آپؐ نے فرمایا ’’اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر کسی پر ہر سال فرض ہو جاتا۔ اور تم، ایسا کرنے کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا بلاوجہ باتیں پوچھنے کی حرص نہ کرو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء سے کثرت سے سوالات کرتے مگر پھر ان کی خلاف ورزی کر کے ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتے۔ جب میں خود تمہیں کچھ کرنے کا کہوں وہ کرو! اور جس چیز سے منع کروں اسے چھوڑ دو۔

حج کی صورت میں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع مقرر ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت کے علاوہ، ایک مقصد رکھتا تھا تاکہ دور دراز کے مسلمان، عوام و خواص مختلف رنگوں، نسلوں، زبانوں کے بولنے والے، مختلف الانواع تہذیب و ثقافت، تمدن کے حامل مگر ایک دین کے پیروکار اس عالمی اجتماع میں ایک دوسرے سے ملیں۔ باہمی تعارف ہو، ایک دوسرے کے مسائل و مشکلات سے آگاہ ہوں اور یہی ان کا بین الاقوامی مرکز قرار پائے۔ چونکہ اس عبادت کا حکم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ایسے دیا تھا کہ اعلان کر دو کہ دور ونزدیک سے دینِ حنیف پر قائم فرزندانِ توحید بشرطِ توفیق ہر سال یہاں آیا کریں اور اس مقدس گھر کا طواف کیا کریں۔ لہٰذا تقریباً تین ہزار برس سے حج اور طواف کا یہ سلسلہ جاری ہے۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد کچھ عرصہ تک حج کے مناسک جوں کے توں چلتے رہے، مگر پھر آہستہ آہستہ بت پرستی اور شرک اور بدعات نے عرب کے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو حج کے مناسک میں شرک اور دیگر بہت سے لایعنی حرکات واعمال ڈال دئے گئے جو کہ کسی طور پر بھی دینِ حنیف سے وابستہ نہیں تھے۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ رحم کرتے ہوئے نویں ہجری میں اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں شامل کر کے حضرت ابراہیمؑ کی ہی نسل

اور دعاؤں سے آنے والے نبیؐ نے دینِ حنیف کی تکمیل کرتے ہوئے وہ جائز اور درست مناسک جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اتارے تھے رائج کئے جو آج تک رائج ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔انشاء اللہ۔

عبادتِ حج اصل میں اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر تشکر کا بے اختیار اظہار ہے، جو خدائے عزّ و جل کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے خاندان کی قربانیوں اور حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کی قبولیت کی صورت میں تمام بنی نوع انسان کے لئے اُتاری گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حج کے متعلق فرماتے ہیں۔

’’محبّت کے عالم میں انسانی روح ہروقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کے لئے ایک نمونہ دیا گیا ہے۔ اور خدا نے فرمایا کہ دیکھو! یہ میرا گھر ہے اور یہ حجرِاسود میرے آستانہ کا پتھر ہے۔ اور ایسا حکم اس لئے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولہ عشق اور محبّت کو ظاہر کرے۔ لہٰذا حج کرنے والے حج کے مقام پر جسمانی طور پر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں۔ ایسی صورتیں بنا کر کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔

اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو خدا کے آستانہ کا پتھر تصور کر کے بوسہ دیتے ہیں۔مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجراسود سے مرادیں مانگتا ہے بلکہ خدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھتا ہے۔جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں لیکن وہ سجدہ زمین کے لئے نہیں ایسا ہی ہم حجراسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ مگر وہ سجدہ اس پتھر کے لئے نہیں‘‘

حج کی فرضیت کس پر فرض ہے؟

حج اس عاقل بالغ صاحبِ استطاعت مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس زندگی کی بنیادی ضروریات کے اخراجات، نیز اہل وعیال کے مناسب اخراجات پورے ہونے کے علاوہ اس قدر زائد رقم ہو جس سے حج کے ضروری اخراجات پورے کر سکتا ہو۔

حضرت مسیحِ موعودؑ نے حج کی تاکید کے سلسلے میں فرمایا۔

اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق سے پورے کرو، ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ (کشتی نوح صفحہ 15) ایک موقعہ پر حضرت مسیحِ موعودؑ نے فرمایا

!’’حج اُس آدمی پر فرض ہے جسے استطاعت ہو، پھر راستہ میں امن ہو، پیچھے جو متعلقین ہیں اُن کے گزارے کا بھی معقول انتظام ہو‘‘۔

(الحکم ا 3جولائی، صفحہ 6)

قارئین کے لئے ایک ضروری بات کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے، اسکے بعد ادا کرنے والا حج نفلی عبادت ہوگی۔

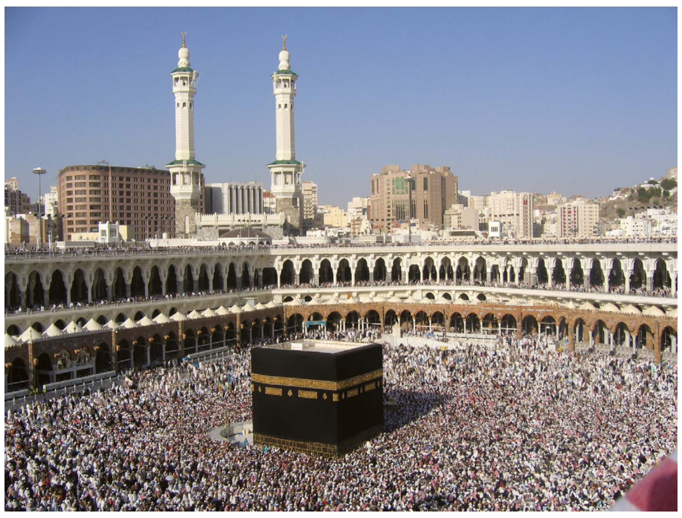

حج مسلمان امّت کا اجتماع گاہ

ہر جماعت اور قوم کا ایک اجتماع گاہ ہوتا ہے اور ایک مرکز ایسا ضرور ہوتا ہے جہاں ایک مسلک کو ماننے والے اکھٹے ہوتے اور اپنے مسلک اور نظریات کو تقویت دیتے ہیں، معاشرتی اور معاشی تعلقات آگے بڑھاتے ہیں۔ اور باہمی یگانگت سے مخالفتوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جہاں اجتماعی ثقافت اُبھرے، تجارت اور مفید جدو جہد کے مواقع پیدا ہوں۔ امّت کے لوگ آپس میں یگانگت پیدا کریں۔ دینِ اسلام جو آخری مذہب اور دینِ متین ہے اور تمام دنیا کے لئے اُترا ہے، جس میں تمام پہلی شریعتیں ضم ہو گئی ہیں اس کی مضبوطی استقامت، اور بقا کا مرکز مکّہ کی یہ وادی اور اس وادی میں ہونے والے ہزار ہا نشانات مقرر فرمائے ہیں۔ جہاں ہر سال خدائے بزرگ وبرتر کی عظمت اور دینِ اسلام کے استحکام کے لئے اور غیر دنیا پر اسلام کے اتّحاد کا رعب بٹھانے کے لئے ایک خاص بابرکت مہینے میں لاکھوں پرستانِ توحید کا اجتماع ہوتا ہے۔ جہاں اجتماعی ثقافت اُبھرے، اجتماعی اور مفید تجارت کے مواقع پیدا ہوں۔ امّت کے لوگ آپس میں یگانگت پیدا کریں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سورہ الحج، آیت 53میں فرماتا ہے کہ ’’ہر قوم کے لئے ہم نے ایک مرکز بنایا ہے جہاں لوگ اللہ کو یاد کرنے کے لئے اکھٹے ہوتے ہیں‘‘۔ لہٰذا اسلام میں حج کی عبادت بطور نمونہ مقرر کی گئی ہے۔ تا کہ مسلمان سال میں ایک مرتبہ اکھٹے ہو کر غیر کو اجتماعیت کا نمونہ دکھائیں۔عزّت والا رب جو حکیم بھی ہے اور علیم بھی اُس نے کرّہ ارض کے وسط میں ایک بیابان علاقے میں اپنا گھر بنوایا، اور اپنے پیارے بندوں کے ذریعے اسے بتدریج آباد کروایا، یہ محض اتفاق تو نہیں! اس کے پیچھے کائنات بنانے والے رب کی حکیمانہ تدبیر چھپی ہوئی ہے۔

مکّہ کی بستی کا چپّہ چپّہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جیسے خدا کا پیارا بندہ (ابراہیمؑ) امتحانات میں پورا اُترا ہے، اسکے لئے یہی انعام ہونا چاہئے تھا۔کہ دنیا کے کونے کونے سے توحید پرست یہاں آئیں اور یہ خطّہ آنے والے زمانے میں تمام دنیا کے لئے ہدایت کا مرکز بنے۔

اسلامی حج کب فرض ہوا؟

پہلے حج کی ادائیگی کی مختصر تاریخ

بیت اللہ، بیت العتیق، بیت المعمور یا خانہ کعبہ جو خدائے عزّو جل کا پہلا گھر ہے جس کا مبارک وجود قبل از تاریخ ثابت ہے، مگر حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں جس کی بنیادیں چونکہ زمین کے نیچے چھپ چکی تھیں اور خدا کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ نے ہی ڈھونڈ کر دوبارہ چہار دیواری کھڑی کی تھی۔

اور اس تعمیر کے بعد چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو تمام لوگوں کو بلانے اور یہاں آکر رکوع، طواف اور اعتکاف کرنے کی دعوت دینے کا اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اصل میں حج اس دن سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور عملاً برس ہا برس حج کی ادائیگی ہوتی رہی۔

وقت کے ساتھ ساتھ عرب میں مختلف قسم کے مذاہب بشمول دہریت اور شرک کے جمع ہو چکے تھے جس کی وجہ سے دینِ ابراہیمؑ کا حج یا عبادات کی اصل روح بالکل مفقود ہوگئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہجرتِ مدینہ کے چھٹے برس آنحضور ﷺ کو ایک رؤیا میں دکھایا کہ آپ ﷺ حج فرما رہے ہیں، اور پھر ہجرت کے نویں برس میں باقاعدہ حج کو اسلام کے ارکان میں شامل کر دیا گیا۔

مکّہ فتح ہو چکا تھا اور اب یہ مسلمانوں پر فرض ہونے والا پہلا حج تھا جس کے لئے حضرت ابو بکرؓ کو آنحضور ﷺ نے امیر بنا کر بھیجا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ سے خبر پا کر مسلمانوں کو باقاعدہ مناسک حج کی تعلیم دی اور مسائلِ حج بیان فرمائے۔ گویا اس حج میں سنّتِ ابراہیمی کے مطابق یعنی اسلامی رنگ میں حج کا قیام ہوا اور حج ادا کیا گیا۔

ابھی حضرت ابو بکرؓ کا قافلہ مکّہ میں داخل نہیں ہوا تھا کہ آنحضور ﷺ پر سورہ توبہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں مشرکین کے ساتھ نیا معاہدہ لکھنے کا حکم ہوا۔

حضرت علیؓ بحکم رسول اللہ ﷺ یہ پیغام لے کر حضرت ابو بکرؓ کے قافلے کے پیچھے گئے اور تمام حاضرین کو پڑھ کر سنایا، جس کی رُو سے مشرکین کے ساتھ نیا معاہدہ ہونا تھا۔

اور اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہ تھی۔

اور نہ ہی کسی کو عریاں ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت تھی۔

کیونکہ اس سے پہلے ایسا ہوتا تھا۔

مناسکِ حج

مسلمان ہر سال اسلامی مہینے ذوالحجہ کی 8 سے 12 تاریخ کو سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ کی زیارت کے لیے حاضر ہو کر وہاں جو مخصوص عبادات انجام دیتے ہیں،

اس مجموعہ عبادات کو اسلامی اصطلاح میں حج اور ان انجام دی جانے والی عبادات کو مناسک حج کہتے ہیں۔

مناسک حج کی ابتدا ہر سال 8 ذوالحجہ سے ہوتی ہے۔

1. حج کا ارادہ رکھنے والے اپنے متعین میقات سے احرام باندھ کر کعبہ کی زیارت کو جاتے ہیں جہاں ابتدائی عمرہ ادا کرتے ہیں
2. اس کے بعد عازمینِ حج منیٰ روانہ ہوجاتے ہیں جہاں ایک رات عبادت میں گزارتے ہیں
3. نویں ذوالحج کی صبح کو قافلوں یا انفرادی جیسے بھی کسی کا انتظام ہوتا ہے عازمینِ حج میدانِ عرفات کی طرف چل پڑتے ہیں۔ میدان عرفات میں عصر کی نماز تک عبادت میں گزارتے ہیں اور خطبہ سنتے ہیں۔ اس دن کو یومِ عرفہ بھی کہتے ہیں یہ وہی مقامِ بابرکت ہے جہاں آنحضور ﷺ نے حجۃالوداع کا خطبہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔
4. میدان عرفات سے مغرب سے پہلے روانہ ہوکر راستے میں ایک مقام مزدلفہ پر رکنا ہوتا ہے یہاں عازمینِ حج رات کھلے آسمان کے نیچے گزارتے ہیں، شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے اس کی قریبی پہاڑی سے کنکر جمع کرنا بھی عازمین حج کا ایک کام ہوتا ہے۔ یہاں رات بھر عبادت کی جاتی ہے۔ اور صبح ہوتے ہی واپس منیٰ کی طرف سفر شروع ہوجاتا ہے۔
5. منیٰ میں تین راتیں اور دن گزارنا ہیں۔ منیٰ پہنچتے ہی جمرات جسے شیاطین بھی کہا جاتا ہے کو کنکر مارنا ہوتا ہے، دسویں

بقیہ صفحہ 6 پر

ڈاکٹر محمد اسلم ناصر۔نیوزی لینڈ

میری والدہ حمیدہ بیگم مرحومہ

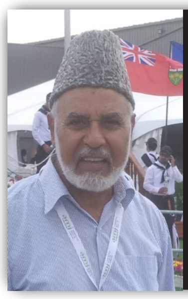

خاکسار کی والدہ محترمہ حمیدہ بیگم اہلیہ محمد اسحٰق انور صاحب مرحوم مورخہ 13مئی 2022ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر بعمر 90سال اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہوگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

بُلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

خاندانی تعارف

میرے نانا جان حضرت حکیم مولوی نظام الدین ؓپور تھلہ (پنجاب انڈیا) شہر کے رہنے والے تھے۔آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔آپؓ نے 20سال کی عمر میں 1905ء میں خود قادیان جاکر دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔آپ کی وفات 7 جنوری 1968ء کو ہوئی۔آپ کی بیعت کے حالات رجسٹر روایات صحابہ نمبر3 صفحہ 36 پر مندرج ہیں۔

میرے نانا جان کے چار بچے تھے۔

1. (ماموں) صوبیدار صلاح الدین صاحب مرحوم
2. (ماموں) ضیاء الدین صاحب۔ جرمنی
3. (خالہ) خدیجہ بیگم اہلیہ چوہدری رحمت علی صاحب مرحوم
4. (والدہ) محترمہ حمیدہ بیگم

میرے دادا صحابی حضرت مسیح موعودؑ حضرت میاں فضل کریم گوجرانوالہ شہر کے رہنے والے تھے۔ان کے چار بیٹے تھے۔جن میں ایک میرے والد محمد اسحٰق انور صاحب واقف زندگی تھے۔آپ کی پیدائش مارچ 1931ء میں گوجرانوالہ میں ہوئی اور وہیں سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور میٹرک کے بعد اپنی زندگی وقف کردی۔

شادی

میرے والد صاحب کی شادی میری والدہ حمیدہ بیگم سے فروری 1952ء میں ربوہ میں ہوئی۔اس وقت میرے والد صاحب کی عمر 20سال اور والدہ کی عمر 18سال تھی۔

میرے نانا جان اس بات کے خواہشمند تھے کہ ان کی بیٹی کا رشتہ کسی واقف زندگی سے ہو۔ایک دفعہ میرے ماموں جو اُن دنوں آرمی میں تھے وہ میری والدہ کے لئے ایک کیپٹن کا رشتہ لائے۔میری والدہ جو ظاہراً بھی خوش شکل تھیں اور یہ رشتہ ان کے لئے بظاہر موزوں معلوم ہوتا تھا مگر میرے نانا جان نے قبول نہ کیا کیونکہ وہ اپنی بیٹی کے لئے ایک دنیادار شخص کی جگہ ایک واقف زندگی کے متلاشی تھے۔چنانچہ جب میرے والد صاحب کا رشتہ آیا تو نانا جان نے باوجود اس کے کہ والد صاحب بالکل تہی دست تھے، رشتہ قبول کرلیا کیونکہ اس وقت میرے والد محترم اپنی زندگی وقف کر چکے تھے۔

میرے والد صاحب بارات لے کر لاہور کے قریب ایک گاؤں بیگم کوٹ گئے تھے جہاں میرے نانا رہائش پذیر تھے اور یہیں بطور صدر جماعت بھی نانا جان نے خدمت کی توفیق پائی۔بارات تین افراد پر مشتمل تھی جن میں ایک میرے تایا مولوی محمد اسماعیل منیر صاحب اور ایک میری دادی جان تھیں۔

والدہ صاحبہ بتاتی ہیں کہ جب تمہارے والد مجھے بیاہ کر لائے تو ربوہ کے پرانے اڈہ پر جو مسجد مبارک کے قریب تھا اُترے اور بجائے گھر جانے کے مجھے کہنے لگے کہ آؤ! پہلے نوافل ادا کر لیتے ہیں پھر گھر جائیں گے۔سردیوں کے ایام تھے۔لوگ نماز عشاء ادا کر کے گھروں کو جاچکے تھے اور مسجد تقریباً خالی تھی۔میرے درویش صفت والدین نے ان دو نوافل کی ادائیگی میں رات کا بیشتر حصہ صرف کر دیا اور کافی دیر بعد مسجد سے واپس گھر گئے۔

صبروشکر کے پیکر

ربوہ میں فضل عمر ہسپتال کے بالمقابل صدر انجمن احمدیہ کے جو کوارٹرز تعمیر ہوئے تھے ان میں ایک کوارٹر میرے والد صاحب کو بھی الاٹ ہوا۔ہمارے ہمسایہ میں محترم مولوی دوست محمد شاہد صاحب اور محترم مولوی محمد یعقوب صاحب زود نویس رہائش پذیر تھے۔اسی کوارٹر میں نامساعد حالات کے باوجود زندگی کا پہیہ چلتا رہا۔ان ایام میں ربوہ کے کیا حالات تھے جاننا کچھ مشکل نہیں ہے۔مالی تنگدستی کے ساتھ ساتھ اشیائے خوردونوش کا بھی خاصا فقدان تھا۔بہر حال ان تمام ترمشکل حالات کے باوجود خدا تعالیٰ کا صبروشکر ادا کرتے ہوئے اور اسی کی دی ہوئی توفیق سے محنت میں عظمت گردانتے ہوئے زندگی کے شب و روز گزار دیئے۔

والدہ صاحبہ بتاتی تھیں کہ آپ کے ابا نے کبھی مجھ سے سختی سے کلام نہیں کیا۔میرے ساتھ ان کا سلوک نہایت اچھا رہا۔گھر میں مالی تنگی تھی مگر آپ کے والد صاحب کے حسن سلوک اور شفقت و محبت سے وہ ایام بھی صبروشکر سے گزر گئے۔

اولاد

27مئی 1953ء کو اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو پہلے بیٹے (محمد اسلم ناصر راقم) سے نوازا۔بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے پانچ مزید بیٹوں سے نوازا۔سب سے چھوٹے بیٹے (محمد انور) کی پیدائش والد صاحب کے عرصہ بیماری میں ہوئی اور چند ماہ بعد ہی اس کی وفات ہوگئی۔

1. محمد اشرف طاہر (شکور پارک)
2. محمد اکرم خالد (Harrisburg PA USA)
3. محمد افضل صادق (Auckland NZ نیوزی لینڈ)
4. ڈاکٹر محمد امجد طارق (پی ایچ ڈی۔کیمسٹری) (سڈنی آسٹریلیا)

حضرت مصلح موعودؓ نے والد صاحب کو اکاؤنٹس کے شعبہ میں لگایا اور آپ کو کچھ عرصہ دفتر خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔1954ء میں تحریک جدید کی زمینوں پر محمد آباد سٹیٹ بطور اکاؤنٹنٹ بھجوادیا۔

1954ء سے مارچ 1963ء تک سندھ میں نورنگر فارم پر جو محمد آباد سٹیٹ میں ہے خدمت کرنے کا موقع ملا۔والد صاحب نے بڑی محنت اور جانفشانی سے یہ سارا عرصہ گزارا۔والدہ بھی دوسرے بیٹے کی پیدائش کے بعد والد صاحب کے پاس چلی گئیں۔ان ایام میں اس علاقہ میں ضروریات زندگی کی شدید قلت تھی۔پانی بھی پینے کو میسر نہ تھا۔جو ملتا تھا وہ مضرصحت تھا۔یہ سختی کے ایام بھی انہوں نے وقف کی حقیقی روح کو نبھاتے ہوئے ہنسی خوشی گزارے۔

یہ 1962ء کی بات ہے کہ ایک دفعہ والد صاحب گھوڑی پر سوار کہیں جارہے تھے چونکہ گھوڑی نئی تھی اس لئے اس نے تنگ کرنا شروع کیا اور ایک پُل پر میرے والد صاحب کو گرادیا۔جس سے آپ کو شدید چوٹیں آئیں۔خاص طور پر سر میں جو چوٹ لگی اس سے والد صاحب کے دماغ کی رگوں کو خاصا نقصان پہنچا اور اسی باعث جسم کا توازن برقرار نہ رہتا تھا۔اس دوران علاج ہوتا رہا۔مگر کوئی خاطر خواہ بہتری نہ ہوئی۔چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے فیصلہ فرمایا کہ والد صاحب کو واپس مرکز بھجوادیا جائے۔

1963ء میں سندھ سے لاہور واپسی ہوئی اور علاج کرایا گیا مگر یہاں بھی افاقہ نہ ہونے پر چند ماہ بعد ربوہ آگئے۔باوجود اس کے کہ چلنے میں تکلیف تھی تاہم آپ قریباً اڑھائی سال وکالت مال ثانی میں خدمت کی توفیق پاتے رہے۔پھر تکلیف بڑھ جانے کے باعث چلنا پھرنا مشکل ہوگیا تو گھر پر صاحب فراش رہے اور زندگی کے آخری دو تین سال خاصے تکلیف میں بسر ہوئے۔

آزمائش کے ان ایام میں میری والدہ صاحبہ نے اپنے شوہر کی خدمت، تیمارداری، اور دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔مزید براں ہم سب بھائیوں کی نگہداشت کا بھی پورا پورا اہتمام فرمایا۔آخر خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور 11 نومبر 1971ء کو والد صاحب اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق

میں اس بات کا گواہ ہوں کہ میری درویش صفت والدہ کا خدا تعالیٰ سے ایک زندہ اور مضبوط تعلق تھا۔ہر خوشی اور غمی میں خدا تعالیٰ کے حضور سربسجود ہونا ان کی زندگی کا ایک لازمی جزو تھا۔قبولیت دعا کے کئی ایک واقعات ہیں جو میری یادداشتوں میں محفوظ ہیں۔

ایک عید کا موقعہ تھا۔ہم بچوں کے پاس نماز پہ جانے کے لئے چپلیں نہ تھیں۔جو تھیں وہ کئی بار کی مرمت کی وجہ سے ناقابل استعمال ہو چکی تھیں۔کپڑے تو میری والدہ خوب دھو کر پہنانے کے قابل کر دیتی تھیں۔میری عابدہ ماں نے اپنے بچوں کی یہ حالت دیکھ کر اپنے خدا کے حضور فریاد کی کہ اے میرے خدا! آج عید کا دن ہے تو میری مدد فرما، تا میں اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز خریدلوں۔قربان جاؤں اپنے خدا کے جس نے عید کے دن میری ماں کی دعا کو یوں فوری قبول فرمایا کہ ابھی صبح کی سیاہی، روشنی میں تبدیل نہ ہوئی تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جو ابھی خلافت کی مسند پر متمکن نہ ہوئے تھے تشریف لائے اور ہم بچوں کے لئے میری والدہ کو پچاس روپے عیدی دے گئے۔نماز کی ادائیگی کے بعد میں واپس گھر آیا تو میری ماں قبولیت دعا کے اس واقعہ کا بڑی خوشی سے ذکر کرنے لگیں اور اپنے زندہ خدا کی تائید اور نصرت کے گیت گانے لگیں۔

1974ء میں جب میں بی ایس سی کر رہا تھا۔سارا سارا دن اور رات ڈیوٹیز میں بسر ہوتے تھے اور اگر کبھی رات کو ڈیوٹی نہ بھی ہوتی تو چونکہ گھر مہمان آئے ہوئے تھے اس لئے پردہ کی وجہ سے گھر نہ آتا اور مسجد میں ہی سوجاتا۔7 ستمبر جب ہمارے خلاف فیصلہ ہوا تو کم علمی کے باعث میں جماعت کی نسبت کچھ تحفظات کا شکار ہوا۔لیکن میری والدہ نے عین اس موقعہ پر جہاں خفگی کا اظہار فرمایا وہیں مجھے یہ سمجھایا کہ الٰہی جماعتوں کی مخالفت بہت ضروری ہے اور یہی اس کی ترقی کا راز ہے۔فرمایا کہ اب دیکھنا کہ خدا تعالیٰ کیا کرتا ہے پھر ہمسایہ سے مجھے حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ازالہ اوہام منگواکر دی کہ یہ پڑھو۔

امتحانات کے دن آئے تو چونکہ ڈیوٹیز کی وجہ سے تیاری نہ کر سکا تھا اس لئے کہنے لگیں کہ اس بار امتحان میں شامل نہ ہو اور داخلہ فیس واپس لے لو ایسا نہ ہو کہ فیل ہو جاؤ اور داخلہ فیس ضائع ہو جائے۔ بہرحال میں والدہ کو قائل کر کے امتحان میں شامل ہو گیا۔

17ستمبر کو امتحانات شروع ہوئے۔ ان ایام میں بھی ڈیوٹیز جاری رہیں۔ جو وقت ملتا اس میں کچھ پڑھ لیتا اور ساتھ دعائیں بھی کرتا رہتا۔ میری والدہ بھی مسلسل دعاؤں سے میری تائید اور نصرت فرماتی رہیں نتیجۃً تقریباً ہر پرچے سے پہلے رات کو امتحان میں آنے والے تمام سوالات سامنے آجاتے۔ صبح اٹھ کر ان کو دیکھ لیتا اور امتحان دے آیا کرتا تھا۔ الحمد للہ یونیورسٹی میں ریاضی میں میری دوم پوزیشن رہی اور تعلیم الاسلام کالج میں بھی میں اول رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جماعت کی طرف سے سکالرشپ دیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے بھی سکالرشپ آفر ہوئی۔ اسی طرح اسلام آباد یونیورسٹی سے بھی پیشکش ہوئی اور ایم ایس سی کے لئے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد چلا گیا۔

قبولیت دعا کے بیسیوں واقعات ہیں۔ آج ہمیں خدا تعالیٰ کی نعماء میں سے جو کچھ بھی میسر ہے یہ میرے والدین کی دعاؤں کے طفیل ہے۔ میرے والدین بہت دعا گو تھے۔ راتوں کو اٹھ کر دعائیں کرنا ان کا معمول تھا اور یہ بات انہوں نے اپنے بچوں میں بھی پیدا کی۔ نماز باجماعت کی پابندی، خلافت سے محبت اور اطاعت نظام ان کا خاصہ تھا۔

عشق قرآن

قرآن مجید سے بہت عشق و لگاؤ تھا۔ مجھے اور میرے باقی بھائیوں کو خود قرآن مجید ناظرہ پڑھایا اور مجھے تو اپنی والدہ سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کی بھی توفیق ملی۔ جب میرے پاس فجی آئیں تو کئی ایک احمدی اور غیر احمدی بچوں کو قرآن پڑھاتی رہیں۔

خلفائے سلسلہ سے محبت وعقیدت

میرے والدین کو خلفائے احمدیت سے والہانہ عشق و محبت تھی اور یہ عشق و محبت صرف زبانی نہ تھی بلکہ اس کا اظہار ان کے عمل اور خطوط میں بھی نمایاں تھا۔ والد صاحب خلیفۂ وقت کی خدمت میں اکثر دعا کے لیے خط لکھتے رہتے تھے اور بچوں کو بھی باقاعدگی سے خطوط لکھنے کی تاکید فرماتے کہ خلیفۂ وقت کی دعائیں ہی اصل خزانہ ہیں جسے ہر حال میں حاصل کرنا چاہئے۔ والدہ محترمہ مجھے ہر خط جو میں حضور کی خدمت میں تحریر کرتا کہتی تھیں کہ میری طرف سے حضور کی خدمت میں محبت بھرا اسلام عرض کر دو۔

یہ 1964ء۔1965ء کی بات ہے جب حضورؒ بیمار تھے۔ میری والدہ ہر ہفتہ یا دوسرے ہفتہ کو بڑے بچوں کو حضورؒ کی خدمت میں لے کر جاتیں۔ حضورؒ چارپائی پر لیٹے ہوتے اور ہم قریب کھڑے ہو جاتے۔ چونکہ ہمارے نام حضورؒ کے رکھے ہوئے تھے اس لئے سب بچوں کو پہچانتے تھے کہ یہ اسحاق کے بیٹے ہیں۔ ہم سب بھائیوں کا قد دیکھ کر حضور ہمارے نام لے کر فرماتے کہ یہ اسلم ہے، یہ اشرف ہے، یہ اکرم ہے گویا ہمارے قد کاٹھ سے ہمارے ناموں کو یاد رکھا ہوا تھا۔ ہم بھی ایک دو منٹ کھڑے رہ کر حسب ہدایت واپس آجاتے تھے۔ یہ شفقتوں اور محبتوں کا سلسلہ خلافت ثالثہ میں بھی جاری رہا۔

خلافت ثالثہ میں اہالیان ربوہ کے لئے ہفتہ میں ایک یا دو دن ملاقات کے لئے مختص تھے۔ جو دن بھی ملاقات کے لئے مقرر ہوتا ہم بھائی جا کر اپنا نام لکھواتے اور ملاقات کر کے واپس آجاتے۔ بعض اوقات اگر ہم دو تین بچے ہوتے تو بھی ملاقات کا موقع مل جاتا اور کبھی سب بچوں کی ملاقات مجموعی طور پر ہو جاتی تھی۔ چونکہ حضورؒ ہمارے حال سے ہم سے زیادہ واقف تھے اس لئے خصوصی شفقت کا اظہار ہوتا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے بھی خلافت سے پہلے سے ہی انتہائی پیار محبت اور اخوت کا تعلق تھا۔ چنانچہ حضورؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اسحاق میرا چھوٹا بھائی ہے مگر والد صاحب حضورؒ کو اپنا روحانی باپ ہی سمجھتے تھے۔ حضورؒ اکثر مواقع پر ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ والد صاحب بھی اکثر حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضورؒ والد صاحب سے مل کر بہت خوش ہوتے اور بسا اوقات لطائف وغیرہ بھی سنایا کرتے تھے۔

خلافت ثالثہ میں والد محترم کا علاج حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضورؒ سے ان ایام میں اسی باعث بہت قریبی تعلق ہو گیا تھا۔ میری والدہ کو بھی اگر دوا کی ضرورت ہوتی تو وقف جدید تشریف لے جاتیں۔ ایک مرتبہ شام کے وقت میری دوا لینے کے لئے مجھے بھی ساتھ لے کر حضورؒ کی خدمت میں گئیں تھیں۔

ستمبر 1996ء میں خاکسار حضورؒ سے ملاقات کے لئے پرتھ سے لندن گیا تو حضورؒ نے مجھے پیغام بھجوایا کہ آج شام ربوہ سے جو کارکنان تشریف لائے ہیں ان کی دعوت ہے اور مجھے بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی۔ میں بڑی خوشی اور مسرت کے جذبات لئے محمود ہال گیا۔ وہاں (U) کی شکل میں نشستوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہاں ہر ایک نے اپنا تعارف کروانا تھا۔ جب میری باری آئی تو حضورؒ نے فرمایا کہ ان کا تعارف میں کرواتا ہوں۔

حضورؒ نے بڑی تفصیل سے میری والدہ محترمہ کی قربانیوں، محنت اور جفاکشی کا تذکرہ فرمایا۔

اس ملاقات کے بعد حسب ارشاد حضورؒ میں امریکہ چلا گیا۔ اس سے قبل میں تین مرتبہ امریکہ جانے کی آفر ہوئی تھی۔ (ایم۔ ایس۔ سی کے دوران چونکہ میں ٹیوشن پڑھاتا تھا تو امریکن ایمبیسی نے مجھے گرین کارڈ دینے کی پیشکش کی تھی لیکن میں نے حامی نہ بھری۔ پھر پی۔ ایچ۔ ڈی کے دوران چونکہ میرا ایکسٹرنل اگزیمنر امریکن تھا اور NASA میں ایک شعبہ کا ڈائریکٹر تھا اس نے بھی مجھے امریکہ آنے کی پیشکش کی اور اسی طرح NASA کی طرف سے بھی مجھے پیشکش ہوئی، ان سب پیشکشوں کو میں نے انتہائی عدم دلچسپی سے چھوڑ دیا۔ میرے دل میں صرف ربوہ واپس جانے کی خواہش تھی۔ مگر 1996ء میں حضورؒ کے ارشاد کی تعمیل میں امریکہ چلا گیا۔ چنانچہ جب میرے بچے جلسہ سالانہ پر لندن آئے اور اردو کلاس میں شامل ہونے کا موقع میسر آیا تو حضورؒ نے میرے بچوں کا تعارف خود کروایا اور یہ تعارف میری والدہ محترمہ کے ذکر سے شروع کیا۔

والدہ کی دو خوبیاں

میری والدہ انتہائی محنتی، جفاکش، نظام جماعت کی مطیع اور خلافت سے حد درجہ محبت کرنے والی تھیں۔ مجھے اپنی والدہ کی دو خوبیاں اچھی طرح یاد ہیں۔

1۔ آپ نے صدقہ کبھی نہیں لیا۔ قناعت پسندی اور خودداری بہت تھی۔ مالی حالت بہت دگرگوں تھے ان حالات میں بھی آپ نے بچوں کو صدقہ لینے سے منع فرمایا ہوا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ کی بیماری کے ایام تھے۔ صدقہ کے لیے اونٹ اور گائے ذبح کی گئی اور گوشت ربوہ کے ہر گھر میں تقسیم ہوا۔ جب ایک طفل ہمارے گھر آیا تو خاکسار نے گوشت لینے سے انکار کر دیا۔ والدہ صاحبہ گھر واپس آئیں اور اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ خلیفۂ وقت کی طرف سے اگر کچھ ملے تو ہمیشہ قبول کر لینا چاہیے اور انکار نہیں کرنا چاہیے۔

والدہ صاحبہ نے نہایت تنگی اور ترشی سے بہت معمولی تنخواہ میں گزارہ کیا۔ مگر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ یہی اپنے بچوں کو سمجھایا کہ محنت کرو اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ والدین کی اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ خاکسار نے پہاڑی پر جا کر پتھر کوٹ کر سخت مشقت برداشت کی، اسٹیشن پر جا کر مسافروں کا سامان اٹھایا، چارپائیاں بُن کر گزارہ کیا۔ اسی طرح چونکہ واقفین کے محلہ میں رہائش تھی میں خود گھروں میں جا کر احباب کے حسب منشاء ان کا کام کر دیتا تھا اور وہ جو خوشی دے دیتے تھے وہ میں لے لیتا تھا۔ محنت مزدوری کر کے گزارہ کیا مگر کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

2۔ میری والدہ کی دوسری خوبی یہ تھی کہ کسی کو کام کہنے میں انتہائی عار محسوس کرتیں اور کسی کے کام آنے میں عظمت محسوس کرتیں۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں جب نان بائیوں نے ہڑتال کر دی تو میری والدہ نے فوراً گھر میں جتنا آٹا موجود تھا گوندھ کر روٹیاں پکا کر میرے ہاتھ بھجوانا شروع کر دیں۔ پھر مرکز سے مزید آٹا آ گیا تو اس کی بھی روٹیاں پکا کر بھجواتی رہیں۔ غرض مہمان نوازی کا وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ باوجود مالی تنگدستی کے حضرت مسیح موعودؑ کے مہمانان کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتیں۔

چندہ کی ادائیگی کے معاملہ میں نا صرف خود بہت پابند تھیں بلکہ اس معاملہ میں ان کی سختی نمایاں تھی۔ مالی تنگی اور کشائش کے ایام میں چندہ کی ادائیگیوں میں بہت پابند رہیں۔ میں بارہ سال کا تھا اور اسٹیشن پر سامان اٹھانے سے مجھے چار آنے ملے۔ جب گھر لایا تو والدہ نے فرمایا کہ پہلے جا کر چندہ دے آؤ۔ چنانچہ میں والدہ کی ہدایت پر فوراً دو آنہ چندہ دینے چلا گیا اور واپسی پر بقایا دو آنے کی آدھا کلو دال لایا۔ جب کہیں سے کوئی آمد ہوتی تو واضح ہدایت کی فوراً جا کر پہلے چندہ ادا کرو اور ساری زندگی خود بھی ہمارے لئے اس اعلیٰ نمونہ پر کاربند رہیں۔

آپ نے بچوں میں جماعت کی محبت، نظام جماعت کی اطاعت، عہدہ داران کا ادب اور احترام اور جماعتی کاموں میں تعاون کی عادت پیدا کی۔

ہم نے کبھی والدین کو آپس میں ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ کبھی ان میں رنج کی کیفیت نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ایک دوسرے کی عزت کرتے دیکھا ہے۔ ایک دوسرے کا احترام کرتے۔ جو ہم بچوں کے لیے ایک نمونہ تھا۔

میرے برادر محمد اشرف صاحب نے تعزیتی مکتوب میں تحریر کیا ہے کہ ’’بیوگی کا وقت والدہ نے نہایت صبر اور تقویٰ سے گزارہ اپنے بچوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم میں اعلیٰ مقام تک پہنچانے کے لئے انتھک جدوجہد کی اور غربت کا وقت نہایت حوصلہ اور صبر کے ساتھ گزارا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ والدہ نے غربت کے وقت میں صدقہ کا گوشت یا صدقہ کی رقم کبھی نہیں لی تھی پانچ وقت کی نمازی تھیں۔ تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوڑی تھی۔ خلافت سے محبت ان کی زندگی کا لازمی حصہ تھی۔ ہمیشہ خلافت کی اطاعت کی نصیحت کرتی تھیں۔ 1947ء کی ہجرت کے واقعات اکثر میرے ساتھ شیئر کرتی تھیں اور قادیان کی بہت سی باتیں بھی یاد تھیں۔ کبھی کسی رشتہ دار سے ناراضگی نہ رکھتی تھیں عید کے موقع پر خود پہلے تمام رشتہ داروں کے گھر جا کر عید مبارک دیتی تھیں۔ تمام بہوؤں کے ساتھ ایک احترام کا رشتہ قائم تھا۔ کبھی کسی بہو یا رشتہ دار کی برائی نہیں کرتی تھیں۔

میری والدہ کی بعض نیکیاں ایسی ہیں جو آج بھی ذہن پر نقش ہیں۔ 1968ء میں جب تحریک جدید کے

بقیہ صفحہ 12 پر

نماز جنازہ حاضر و غائب

مکرم منیر احمد جاوید پرائیویٹ سیکرٹری یہ اطلاع بھجواتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مؤرخہ 11؍ جون 2022ء بروز ہفتہ اپنے دفتر سے باہر تشریف لا کر 12 بجے دوپہر کو ایک نماز جنازہ حاضر اور درج ذیل چند نماز جنازہ پڑھائے۔

نماز جنازہ حاضر

مکرمہ بشریٰ حمید صاحبہ اہلیہ مکرم چوہدری حمید احمد صاحب (سلاؤ۔ یوکے)

7؍ جون 2022ء کو 82 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحومہ مکرم نذیر احمد صاحب قریشی مرحوم (آف نصرت دواخانہ ربوہ) کی بیٹی تھیں۔ آپ قادیان کے نزدیکی گاؤں میں پیدا ہوئیں۔ مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند، دعاگو، ایک نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ پسماندگان میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔

نماز جنازہ غائب

1- مکرمہ سرداراں بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم مبارک احمد صاحب

26؍ اپریل 2022ء کو 73 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحومہ صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کریم کی پابند تھیں۔ مرکزی مہمانوں کی خدمت بڑے شوق سے کرتی تھیں۔ ہمسائیوں اور رشتہ داروں سے بہت حسن سلوک سے پیش آتی تھیں۔ خلافت کے ساتھ عقیدت کا گہرا تعلق تھا۔ مقامی سطح پر لمبا عرصہ صدر لجنہ کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں چار بیٹے شامل ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے مکرم مجاہد احمد صاحب واقف زندگی ہیں۔

2- مکرم شیخ تنویر احمد صاحب ابن مکرم محمود احمد صاحب (واقف زندگی ٹیچر گیمبیا)

14؍ مئی 2022ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم 12 سال جماعت کے نظام تعلیم سے وابستہ رہے۔ پہلے ناصر ہائیر سیکنڈری سکول ربوہ میں پڑھاتے رہے اور بعد میں آپ نے مجلس نصرت جہاں کے تحت پانچ سالہ وقف کیا اور پھر اسی دوران مستقل طور پر زندگی وقف کر دی۔ 2012 سے آپ گیمبیا میں خدمت پر مامور تھے۔ جہاں آپ نے مسرور احمدیہ سینئر سیکنڈری اسکول بانجل کے وائس پرنسپل کے طور پر بھرپور رنگ میں خدمت کی توفیق پائی۔ سکول کے علاوہ دیگر جماعتی سرگرمیوں میں بھی پورے شوق اور لگن سے حصہ لینے والے ایک فعال خادم سلسلہ تھے۔ جلسہ سالانہ گیمبیا پر آپ کی ڈیوٹی نمائش اور تصاویر پر لگائی جاتی تھی۔ جماعت کے وقارعمل اور جلسہ گاہ کی تیاری اور سڑکوں کی صفائی کے کام میں بھی احباب جماعت کے ساتھ مل کر بڑے شوق سے حصہ لیتے تھے۔ مرحوم موصی تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹی اور دو بیٹے شامل ہیں۔

3- مکرم عبدالودود طارق صاحب ابن مکرم ماسٹر بشیر احمد صاحب

5؍ مارچ 2022ء کو 80 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم نے میٹرک کے امتحان میں دعا کی کہ اگر میں پاس ہوگیا تو ساری عمر تہجد ادا کروں گا۔ چنانچہ کامیابی کے بعد آپ نے اس عہد کو تمام عمر بخوبی نبھایا۔ 1989 میں بطور سینئر ہیڈ ماسٹر ریٹائر ہوئے۔ 1974 کے فسادات میں مخالفین نے مظفر آباد میں آپ کے گھر پر حملہ کیا اور بیرونی دیوار گرا دی۔ اس وقت آپ کے ماموں راجہ خورشید احمد منیر صاحب مربی سلسلہ بھی آپ کے گھر پر تھے۔ انہوں نے بندوق سے روکنے کی کوشش کی مگر مخالفین نے گھر میں داخل ہو کر کتابیں اور سامان جلا دیا۔ دوران ملازمت بار بار مخالفت کی وجہ سے آپ کی ٹرانسفر ہوتی رہی۔ جہاں جاتے مخالفین پہلے سے تیار ہوتے لیکن آپ بڑے صبر و ہمت کے ساتھ تمام حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ ایمانداری سے اپنا کام کرتے اور اپنے عملہ کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ ملازمت کے آخری دور میں ایک معاند نے پیچھے سے وار کر کے آپ کو سخت زخمی کر دیا تھا۔ پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرتے اور اپنے چندے بروقت دیتے تھے۔ اپنے محلہ باب الابواب شرقی میں لمبا عرصہ امام الصلوٰۃ کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔ مرحوم موصی تھے۔

4- مکرم نوید اقبال صاحب

4؍ مئی 2022ء کو 41 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم پیدائشی احمدی تھے۔ آپ کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ آپ کے پڑدادا حضرت حاجی احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہوا جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کر کے اپنی زندگی وقف کی اور 2001 میں وقف جدید کی معلمین کلاس میں داخلہ لیا۔ دو سال کا کورس پاس کر کے 2003 میں بطور معلم وقف جدید خدمت کا آغاز کیا۔ اس دوران آپ کو پاکستان کے مختلف اضلاع شیخوپورہ، سیالکوٹ، خوشاب، وہاڑی، فیصل آباد، سانگھڑ، حیدرآباد وغیرہ میں خدمت کی توفیق ملی۔ آپ کو جہاں بھی بھجوایا گیا ہمیشہ لبیک کہا اور کبھی کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ وقف کو ہمیشہ وفا کے ساتھ نبھانے کی کوشش کی۔ مرتے دم تک خلافت کے ساتھ وفا کا تعلق رکھا۔ بہت ملنسار، مہمان نواز، خوش مزاج اور عاجز انسان تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے اس وقت مدرسۃ الحفظ میں زیر تعلیم ہیں۔

5- مکرم محمد عبداللہ صاحب (المعروف بانڈوں والے)

19؍ اپریل 2022ء کو 101 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم کی والدہ حضرت نواب بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیہ تھیں۔ جنہوں نے 1906 میں بیعت کی سعادت پائی۔ مرحوم نے قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے باڈی گارڈ کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔ 1947 میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور 1982 میں ربوہ شفٹ ہوئے۔ 1983 سے لے کر 1995 تک مسجد اقصیٰ ربوہ میں تقریباً 13 سال بطور چوکیدار خدمت کا موقعہ ملا۔ بعد ازاں 10 سال بہشتی مقبرہ قطعہ خاص میں ڈیوٹی دیتے رہے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار اور سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے ایک مخلص انسان تھے۔ خلافت اور نظام جماعت کے ساتھ بے حد عقیدت اور احترام کا تعلق تھا۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے شامل ہیں۔

6- مکرمہ امۃ الرشید صاحبہ اہلیہ مکرم منظور احمد صاحب

15؍ فروری 2022ء کو 92 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آپ کے تین ماموں حضرت سائیں سندر صاحب (چندر کے منگولے)، حضرت سیف اللہ صاحب اور حضرت بھاگ دین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ آپ کے والد محترم مولوی محمد بخش صاحب نے 1910 میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ اور پھر اولخ بیری (ضلع گورداسپور) میں دیہاتی مبلغ تھے۔ مرحومہ صوم وصلوٰۃ کے علاوہ جوانی سے ہی تہجد گزار اور تلاوت قرآن کریم کی پابند، نرم مزاج، صابرہ وشاکرہ، بہت ہمدرد اور نیک خاتون تھیں۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم کلام سے بہت محبت تھی اور اجلاسوں میں بھی نظمیں سنایا کرتی تھیں۔ مرحومہ 1/7 حصہ کی موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ آپ مکرم مشہود احمد صاحب ناصر کی والدہ، مکرم ہدایت اللہ شاد صاحب (سابق نیشنل سیکرٹری تعلیم القرآن و وقف عارضی جرمنی۔ حال یوکے) کی ہمشیرہ، مکرم ظفر احمد صاحب (کارکن حفاظت خاص یوکے) کی خالہ اور ساس اور ظہور احمد (مربی سلسلہ دفتر پی ایس۔ اسلام آباد۔ یوکے) کی خالہ تھیں۔

7- مکرمہ نجمہ عطاء الحق صاحبہ (آٹوا۔ کینیڈا)

12؍ مئی 2022ء کو 77 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحومہ نے لمبا عرصہ لجنہ کے مختلف شعبوں میں احسن رنگ میں خدمت کی توفیق پائی۔ مرحومہ غریب پرور، نرم مزاج، رحمی رشتوں کا خیال رکھنے والی، ہر ایک سے بلاتفریق احسان اور ہمدردی کا سلوک کرنے والی، بہت شفیق اور مخلص خاتون تھیں۔ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق تھا۔ ساری زندگی صوم وصلوٰۃ کی پابند رہیں اور اپنی اولاد کی بھی بہت اچھی تربیت کی۔ خلافت سے والہانہ محبت اور عقیدت کا تعلق تھا۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ آپ مکرم ڈاکٹر مجیب الحق خان صاحب (ریجنل امیر مسجد فضل ریجن لندن۔ یوکے) کی بھابھی تھیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین سے مغفرت کا سلوک فرمائے اور انہیں اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ دے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی خوبیوں کو زندہ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

(ادارہ الفضل آن لائن جملہ مرحومین کے لواحقین سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ادارہ کا مضمون نویسوں، تبصرہ و مراسلہ نگاروں کے خیالات اور آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

بقیہ: میری والدہ حمیدہ بیگم مرحومہ ...... از صفحہ 10

کوارٹرز میں گیس کا آغاز ہوا تو اس وقت بیرون ربوہ سے آنے والے طلباء کی رہائش کے لئے دو کمرے موجودہ سرائے مسرور کی عمارت کی جگہ پر تھے۔ان میں کلر کہار کے ایک نئے احمدی دوست جن کے تین بچے لیاقت، خالد سلیم، اور نسیم گل تھے۔سالن تو یہ بھائی پکا لیتے تھے لیکن روٹی پکانے میں دقت تھی۔ چونکہ ہماری ان سے دوستی تھی اور اسی وجہ سے ان کا ہماری طرف آنا جانا تھا لہذا میری والدہ نے ان سے کہا کہ روٹی میں آپ کو پکا دیا کروں گی۔ ناشتے کا انتظام وہ خود کر لیتے تھے لیکن دوپہر اور شام کی روٹی میری والدہ پکایا کرتی تھیں۔ روٹی پکانے کا یہ سلسلہ قریباً 9 سے 10سال تک جاری رہا۔اسی طرح اگر کوئی اچھی چیز پکتی تو وہ بھی بھجواتی تھیں اور وہ بھی اگر شکار یا مچھلی بناتے تو والدہ کو بھجوایا کرتے تھے۔‘‘

محلہ کے کئی غریب بچوں کے کھانے اور مالی اعانت کا اہتمام بھی کر دیا کرتی تھیں۔

ہمارے بچپن کے ہمسائے برادرم مجیب احمد صاحب مربی سلسلہ استاد جامعہ احمدیہ نے مجھ سے والدہ صاحبہ کی تعزیت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ’’آپ کو انتہائی بچپن سے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا آپ کی زندگی جہدِ مسلسل کی مثال دیکھی۔ بچپن میں آپ کی دل موہ لینے والی شفقت مگر شفقت کے ساتھ وہ فاصلہ جو بچے کو بگڑنے نہ دے وہ بھی قائم رکھنا آپ کی خاصیت تھی۔ ہر وقت گھر کے کاموں میں مگن رہتیں۔ گھر کی صفائی میسر وسائل میں اعلیٰ ترین، بچوں کو اعلیٰ ترین صحت مند غذا اپنے وسائل میں مہیا کی۔ میری والدہ اپنے بہت سے معاملاتِ زندگی میں آپا (خاکسار کی والدہ) کی راہنمائی کا ذکر فرماتیں۔ دوستی یا تعلق میں وہ مرحلہ بھی آتا ہے جہاں اختلاف رائے ہو جائے ایسے میں بھی ہم نے اپنی والدہ اور آپا سے سیکھا کہ اختلاف میں بھی اعلیٰ انسانی قدریں کیسے قائم رکھی جاتی ہیں۔ میری والدہ اور آپا جب کوارٹروں رہتیں تو تین خلفائے سلسلہ سے اکٹھے ملاقاتوں کی بھی یادیں تھیں جن سے خوب خوب محظوظ ہوتیں اور جب کبھی یہ ذکر چھڑتا تو باری نہ آتی دونوں ایک دوسری کو واقعات کی لڑی میں پروئے جاتیں اور ہم یوں محسوس کرتے کہ ہم بھی ملاقاتوں میں شامل ہیں۔ دونوں کو دیکھا کہ خلافت کے عشق میں ایسی سرشار تھیں کہ خلافت پر معترض قریب ترین دنیاوی رشتہ کو بھی خاطر میں نہ لاتیں کیا شان تھی کیا افتخار پایا۔‘‘

میرے مرحوم والدین کی سادگی، درویشی اور توکل علی اللہ میں سرشار زندگی کی یہ ایک مختصر ترین جھلک ہے جو میں ان دونوں بزرگ ہستیوں کے لئے دعا کی عاجزانہ درخواست کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ میرے بزرگ والدین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اپنے پیاروں میں شامل فرمائے اور ہم سب افراد خاندان کو ان کی نیکیاں زندہ و قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دعا کا تحفہ

احرام کی دعا تلبیہ

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت ﷺ کو احرام باندھ کر اِن الفاظ میں تلبیہ کرتے ہوئے سُنا۔

لَبَّیكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیكَ لَبَّیكَ لَا شَرِیكَ لَكَ لَبَّیكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعمَةَ لَكَ وَالمُلكَ لَاشَرِیكَ لَكَ (بخاری کتاب الحج باب التلبیة)

ترجمہ:۔ حاضر ہوں۔اے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں۔تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔تمام تعریف اور سب فضل اور انعام تیرے ہی ہیں۔اور بادشاہت بھی تیری ہے۔تیرا کوئی شریک نہیں۔

(مناجات رسولؐ از خزینۃ الدعا مرتبہ علامہ ایچ ایم طارق صفحہ 89-90 ایڈیشن 2014ء)

مرسلہ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی

ایک سبق آموز بات

نائیجیرین کہاوت ہے کہ جب درخت کی جڑیں سوکھنا شروع ہو جائیں تو وہ شاخوں کو بھی سوکھا دیتی ہیں۔

اس کا مطلب واضح ہے کہ جب انسان یا کوئی معاشرہ اپنے اصل سے دور ہونا شروع ہو جائے تو اصل تہذیب و تمدن معدوم ہو جاتا ہے۔ اور جب اصل قائم نہ رہے تو اگلی نسلوں میں اس تہذیب و تمدن کے قیام کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اس محاورے کا اطلاق انفرادی طور پر خاندانی اکائی پر ہوتا ہے وہیں ایک معاشرے اور قومی سطح پر پوری قوم کو اپنی تہذیب و تمدن، خاندانی اقدار کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔

ذیشان محمود۔ سیرالیون

فقہی کارنر

بیویوں کے درمیان اعتدال ضروری ہے

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

کثرت ازدواج کے متعلق صاف الفاظ قرآن کریم میں دو دو، تین تین، چار چار کر کے ہی آ رہے ہیں مگر اسی آیت میں اعتدال کی بھی ہدایت ہے۔ اگر اعتدال نہ ہو سکے اور محبت ایک طرف زیادہ ہو جاوے یا آمدنی کم ہو اور یا قوائے رجولیت ہی کمزور ہوں تو پھر ایک سے تجاوز کرنا نہیں چاہئے۔ ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے کہ انسان اپنے تئیں ابتلاء میں نہ ڈالے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ (البقرہ: 191) غرض اگر حلال کو حلال سمجھ کر انسان بیویوں ہی کا بندہ ہو جائے، تو بھی غلطی کرتا ہے۔ ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی منشاء کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کا یہ منشاء نہیں کہ بالکل زن مرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ رہبانیت اختیار کرو بلکہ اعتدال سے کام لو اور اپنے تئیں بے جا کاروائیوں میں نہ ڈالو۔

(الحکم 6 مارچ 1898 صفحہ 2)

(داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ برطانیہ)

یکم جولائی 2022ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:14	19:07
مدینہ منورہ	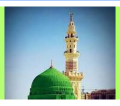	04:05	19:15
قادیان		03:47	19:38
ربوہ		03:27	19:38
اسلام آباد ٹلفورڈ	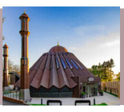	03:22	21:22